۷۸۶

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

حقائق و معارف

شعر کے آئینہ میں

حاصلِ کاوش

منشی عبد الرحمٰن خاں

ناشر

ادارہ نشر المعارف۔ چہلیک۔ ملتان شہر

بار اول ۱۱۰۰

قیمت
تین روپے آٹھ آنے

مارچ ۱۹۵۶ء

ناشر

ادارہ نشر المعارف ۔ چہل بیک ۔ ملتان شہر

طابع

انتشار پریس اردو بازار لاہور

انکے نام

جو

تخیل کی کارگزاری اور خیال آفرینی میں
حقیقت و واقعیت کے تلاشی رہتے ہیں

مؤلف "حقائق و معارف" کی دیگر بہترین کتابیں

۱۔ **تعارف قرآنی** اس میں خود قرآن کی زبانی اس کے نام۔ کام اور پیغام سے دنیا کو آسان اور عام فہم انداز میں...... متعارف کرایا گیا ہے۔ عہ

۲۔ **بصائر قرآنی** اس میں کلام پاک کے اقوال و امثال ترغیبات و ترہیبات کو آسان اور دلچسپ انداز میں جمع کرکے اس کے جمال جہاں آرا سے دنیا کو روشناس کرایا گیا ہے۔ عا

۳۔ **احکام قرآنی** یہ قرآن کے ان احکام کا مجموعہ ہے۔ جو انسان کیلئے دستور حیات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جن پر عبادات، معاملات، معاشرت سیاست۔ تمدن کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ہے

۴۔ **آداب و اخلاق** اس میں انسانی زندگی کے جملہ شعبوں اور انسانی اعمال کے سارے اچھے مظاہر کے متعلق بڑی تفصیل و استیعاب کے ساتھ ایسے آداب اخلاق پیش کیے گئے ہیں۔ جن کی تکمیل کا اسلام متقاضی ہے ے

۵۔ **داستانِ عمل** یہ مسلمانوں کے اخلاق فاضلہ کی ایسی عملی تاریخ ہے۔ جو بتلاتی ہے کہ اخلاق و کردار کے مختلف شعبوں میں اسلام کس قسم کے انسان چاہتا ہے عمر

۶۔ **حقیقت حدیث** اس میں منکرین حدیث کے امام مسٹر پرویز کے استدلال کے آئینہ میں دکھلایا گیا ہے کہ سرمایہ حدیث تاریخ دین نہیں بلکہ جزو دین ہے۔ ے

۷۔ **مشاہدات و واردات** اس میں اہم علمی و ملی مسائل، مذہبی اور روحانی حقائق سیاسی ہنگاموں اور مذہبی جماعتوں کے قول و کردار پر اہم تاریخی دستاویزات کی روشنی میں تبصرے اور مشورے پیش کیے گئے ہیں سے

مصنف "مشاہدات و واردات" کے دو نئے تحفے

خضر و مسیحا

یہ ایسی بلند پایہ اور دلکش اسلامی۔ اخلاقی اور قومی نظموں کا انتخاب ہے جو فی الواقع قوم کیلئے خضر و مسیحا کی حیثیت رکھتا ہے اور قوم جس دور سے گزر رہی ہے اس کیلئے ایک خوانِ نعمت ہے۔ اس میں بعض بہترین شعراء کا غیر مطبوعہ کلام بھی ہے انتخاب کی خوبی اور ترتیب کی عمدگی اسے بار بار پڑھنے کا تقاضا کرتی ہے۔ عہ/ ۸

سیرۃ مولانا اشرف علی تھانویؒ

حکیم الامت۔ مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی ان کاملین میں سے تھے جو قدرت اصلاح امت کیلئے صدیوں کے بعد بھیجا کرتی ہے اور جن کا سرمایہ رشد و ہدایت صدیوں تک کام آتا رہتا ہے انہوں نے کس طرح ایک پرانا قصبہ اور ایک کہنہ مسجد میں بیٹھ کر مسلمان کی تصویر حیات کو اس قبیلہ کے مطابق بنانے میں ساری عمر صرف کر دی۔ جو دین حق کے مرقع میں نظر آتی ہے۔ اس کی تفصیل پہلی دفعہ مؤرخانہ انداز میں آپ کو اس کتاب میں ملے گی۔ جس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے قریباً تمام واقعات صاحبِ سوانح کی نظر سے گزرے ہوئے ہیں۔ ...... عہ

ناظم دار التصنیف و تالیف
چہلیک۔ ملتان شہر

عناوین

شعرائے کرام

جن کا جوہرِ کلام زینتِ انتخاب ہے

حکیم الامت علامہ اقبالؒ

اکبر الہ آبادی ۔ شبلی نعمانی ۔ مولانا محمد علی جوہر ۔ مولانا ظفر علی خاں
مولانا حسرت موہانی ۔ اسد ملتانی ۔ نیاز ملتان ۔ مولانا خدا بخش اظہر ۔ اصغر گونڈوی
جوش ملیح آبادی ۔ خواجہ عزیز الحسن مجذوب ۔ حفیظ جالندہری ۔ سیماب اکبر آبادی
مولانا ماہر القادری ۔ نشتر جالندھری ۔ حفیظ ہشیار پوری ۔ جگر مراد آبادی
اختر الہ آبادی ۔ سید علی اختر اختر ۔ افق کاظمی ۔ ثاقب کانپوری ۔ روش صدیقی ۔
انور کرمانی ۔ انور گورداسپوری ۔ اثر صہبائی ۔ جلیل قدوائی ۔ عاصی کرنالی ۔
خلیق برہانپوری ۔ حیرت شملوی ۔ حیرت وارثی ۔ خاموش لدھیانوی ۔
فیض لدھیانوی ۔ اسرار بصری ۔ رمزی اٹاوی ۔ میر ولی اللہ ۔ مرزا احسان ۔
اظہر زاہدی ۔ فاخر ہریانوی ۔ زاہد القادری ۔ بیدم وارثی ۔ جبریل صدیقی ۔
کشفی ملتانی ۔ اقبر رامپوری ۔ اختر نانپوالی ۔ نازش رضوی ۔ یاس یگانہ
فیضا محمد ضیا ۔ خلیق ملتانی ۔ مانی جائسی ۔ طالوت ۔ مرشد ۔ عدم ۔ ضامن ۔ وحشت
طارق ۔ محسن ۔ رفیق ۔ راحت ۔ محوی ۔ بسمل ۔ طاہر ۔ درد ۔ فانی ۔ جعفری ۔

چنگیز۔ عنقی۔ مست۔ رواں۔ مَیکش۔ طبیب۔ راغب۔ ہلالی۔ صادق۔ شفیق
۔ جدی۔ سہیل۔ آرزو۔ آزاد۔ ساحر۔ شکور۔ امجد۔ تاجور۔ شمیم۔ منعم۔ ولی
۔ عزیز۔ سعید۔ قمر۔ کمتر۔ شرف۔ عبرت۔ نجم۔ یلدرم۔ پرواز۔ سراج۔ بیتاب
۔ جاوید۔ حافظ۔ عرشی۔ ہنر۔ احسن۔ آتش۔ تپاں۔ طالب۔ الم۔ ناظر۔
۔ نسیم۔ جلیل۔ نزہت۔ فیضی۔ واثقی۔ محبوب۔ شیفتہ۔ رحمان۔ اعجاز

نوٹ:۔ جن اشعار پر ؟ کا نشان ہے۔ وہ شعر میری طالب علمی کے زمانہ کی نوٹ بک میں درج تھے۔ جن کے ساتھ شاعر کا نام درج نہ تھا ان پر ؟ نشان لگا دیا گیا ہے۔ اگر ان کا نام پتہ لگ گیا یا کسی نے ان کا پتہ دے دیا تو اگلے ایڈیشن میں انشاء اللہ اس کی صحت کر دی جائے گی۔

(مؤلف)

تعجب بالائے تعجب

(از حضرت "طالوت" ملتان)

خان عبدالرحمٰن خان صاحب مؤلفِ تعارفِ قرآنی بصائرِ قرآنی احکام قرآنی کی شخصیت اہلِ علم اور اہلِ ذوق حضرات کے ہاں ایک پختہ کار اہلِ قلم کے طور پر معروف ہے ان کی ذہنی بصیرت اور ان کا علمی پایہ ان کی دیگر تالیفات "اخلاق و آداب" اور "داستانِ عمل" سے ظاہر ہے مگر خان صاحب کی زبانی مجھے یہ سن کر تعجب ہوا کہ وہ ایک ایسا مجموعہ شائع کرنے والے ہیں جس میں انہوں نے مختلف عنوانوں کے ماتحت اشعار کا انتخاب کیا ہے اور تعجب بالائے تعجب اس وقت ہوا جب میں نے وہ مجموعہ دیکھا اور اسے ایک بے نظیر بلند پایہ انتخاب پایا۔

قرآنِ پاک کے معارف کو ترتیب دینے والا مؤلف اشعار کے انتخاب میں کیونکر کامیاب ہوا؟ یہ ایک تعجب انگیز بات ہے۔ اس مجموعہ میں یوں تو بہت سی خوبیاں ہیں جو اہلِ ذوق سے داد حاصل کریں گی۔ مگر میرے نزدیک اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں عمومی شعر و شاعری کی سوقیت کا نام و نشان تک بھی نہیں۔ اشعار کی متانت و رزانت اس بات کی ضامن ہے کہ یہ مجموعہ اہلِ ذوق تو کیا اہلِ علم سے بھی انشاءاللہ پوری پوری داد حاصل کریگا۔

"طالوت"

ملتان ۲۶ نومبر ۱۹۵۲ء

اہمیت و افادیت

(از جناب خان محمد اسد خاں صاحب اسد ملتانی)

"حقائق و معارف" اور "خضر و مسیحا" کے مسودے پہنچے۔ ان کے انتخاب کی خوبی اور ترتیب کی عمدگی نے مجبور کیا کہ منتخبات کو پوری توجہ کے ساتھ دیکھوں۔ اسلئے میں نے ان کو بغور دیکھا۔ دو تو کتابیں خوب ہیں۔ اور انتخاب و ترتیب قابل داد!

"حقائق و معارف" کے متعلق مؤلف کے نقطۂ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے انتخاب کا جائزہ لیا۔ اس میں یقیناً زیادہ شدت کی ضرورت تھی۔ شعر انتخاب کی منزل میں اسی وقت آتا ہے جبکہ وہ لفظی یا معنوی اسقام سے پاک ہو انتخاب میں شخصی ذوق کا اختلاف ہو سکتا ہے۔ لیکن اصولی غلطی کو بہرحال نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اسلئے میں نے حتی الوسع ذرا سی بھی غلطی نہیں رہنے دی۔ یہاں تک کہ لفظی یا خطی ترمیم تک کر دی ہے۔ اور جہاں ضرورت محسوس کی ہے۔ وہاں حک و اضافہ سے بھی کام لیا ہے۔

شعر کی فنی حیثیت اور ہوتی ہے۔ لیکن اس انتخاب میں شعریت کے مقابلہ میں افادیت کا پہلو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ اور بقول مؤلف اشعار کے مضامین کو قرآن کی عینک سے دیکھا گیا ہے۔ اسلئے اس نقطہ نظر سے انتخاب د

ترتیب نمایاں خصوصیت کے حامل ہو گئے ہیں۔

مزید براں اشعار اپنی جگہ پر نہایت عمدہ اور قابل تعریف ہو سکتے ہیں لیکن ساتھ ہی تاثر کے لحاظ سے گمراہ کن سے

نئے ادب میں چمک اور تپش سہی لیکن
وہی کہ اصل ہے جن کی شرار بولہبی

اس انتخاب میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ محض چمک اور تپش کو نہ دیکھا جائے۔ بلکہ یہ کہ وہ زندگی پر کہاں تک مفید اثر ڈال سکتے ہیں۔ بس اسی نقطۂ نظر میں اس انتخاب کی اہمیت پوشیدہ ہے۔

کراچی۔ ۲ فروری ۱۹۵۲ء

اسد ملتانی

۷۸۶

پیش لفظ

(از عالیجناب ایس۔ اے رحمٰن صاحب چیف جسٹس ہائیکورٹ لاہور)

شعروں کا انتخاب ایک نازک معاملہ ہے۔ بقول شاعر یہ رسوائی کا باعث بھی ہو سکتا ہے۔ اسکی توجیہہ شاید یہ ہو کہ شعر کی پسندیدگی میں ذاتی رجحان کو بہت دخل ہے۔ کوئی زبان اور روزمرہ پر جان چھڑکتا ہے۔ تو کوئی حُسنِ معنی کو حُسنِ صورت پر ترجیح دیتا ہے۔ پھر سامع یا قاری کی ذہنیت بھی تغیر پذیر ہوتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اگر ایک شعر کسی خاص وقت میں اور ایک خاص کیفیت کے زیرِ اثر پسندِ خاطر ہوا ہو۔ تو وہ کسی اور وقت یا مقام پر بھی حُسنِ قبول کا مستحق سمجھا جائے۔ انسانی نفسیات کی بوقلمونی کے پیشِ نظر یہ اختلاف چنداں تعجب خیز نہیں۔ اسلئے یہ حکم لگانا مشکل ہوگا۔ کہ زیرِ نظر مجموعہ ہمہ گیر مقبولیت حاصل کریگا یا نہیں۔ البتہ اگر کوئی خردہ گیر یہ کہے کہ "حقائق و معارف" کا کوئی حصہ بھی اس کے دل کے تاروں پر زخمہ زنی کرنے سے قاصر ہے تو میں سمجھونگا کہ اُس کا ذوقِ شعر محلِ نظر ہے۔

صاحبِ تالیف علم و ادب کے میدان میں محتاجِ تعارف نہیں ہیں وہ اسلامی موضوعات پر متعدد کتابوں کے مصنف یا مؤلف ہیں۔ جو اہلِ

ذوق سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ اب کے انہوں نے شعر کی رنگین وادی میں قدم رکھا ہے لیکن اُن کا مقصود محض ذہن کی جمالیاتی حس کی تسکین نہیں۔ انہوں نے نہایت کاوش سے مختلف سنجیدہ عنوانات کے ماتحت وہ اشعار منتخب کر کے درج کئے ہیں جو ان کی دانست میں زندگی کی اعلیٰ اقدار سے واسطہ رکھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی خاص مضمون پر کوئی اور گلچیں چمنستان شعر سے زیادہ شگفتہ نمونے پیش کر سکے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اہلِ نظر مؤلف کے دامن میں کوئی زہریلا یا متعفن شگوفہ نہیں پائیں گے۔ ان کا مذاقِ شعر بلند ہے۔ اور ان کا انتخاب سوقیانہ اور مبتذل اشعار سے پاک۔ بعض کورسواد آج کل عریانی کو معراجِ فن سمجھے بیٹھے ہیں۔ لیکن یہ ایک سطحی رَو ہے۔ جسے بحرِ عمر کی گہرائیوں کا شعور نہیں بلکہ اگر کہا جائے کہ یہ سطحیت حقائقِ حیات سے گریز کی غمازی کرتی ہے۔ تو بجا نہ ہوگا۔ یہ مجموعہ مؤلف کی بلند نظری پر دال ہے۔ امید ہے اہلِ ذوق اسے قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

۹۵۔ گلبرگ۔ لاہور

ایس۔ اے۔ رحمٰن

ترتیبِ انتخاب

مجھے قرآن پاک اور کتبِ سیر و اخلاق کی غواصی کرتے دیکھ کر میرے ایک محترم بزرگ نے فرمائش کی کہ میں بحرِ سخن سے بھی ایسے گہر ہائے آبدار تلاش کروں جو مشعل راہ کا کام دے سکیں۔ تخیلات کے بحرِ بے پایاں سے ایسے موتیوں کی تلاش کی فرمائش میرے لئے ایک آزمائش سے کم نہ تھی۔ کیونکہ میں نہ شاعر ہوں۔ نہ شعر و شاعری سے کوئی خاص دلچسپی رکھتا ہوں اور نہ سخن شناسی کا مجھے دعویٰ ہے۔ حدودِ انتخاب کے تعیّن نے میری ہمت بندھائی۔ جس کی وجہ سے میں اس فرمائش کی تعمیل سے انکار نہ کر سکا۔

بتوفیقِ ایزد متعال میں نے اس بحر مواج کی غواصی شروع کر دی۔ جذبات و تخیلات کی تیز و تند موجوں کے تھپیڑوں سے دماغ چکرا گیا۔ ہر جگہ خیال آفرینی ہی خیال آفرینی نظر آئی۔ ایسے گہر ہائے سخن جو اپنے اندر حقیقت۔ واقعیت معنویت اور ابدیت رکھتے ہوں اور زندگی کی تاریک راہوں پر روشنی ڈال سکیں بہت ہی کم ہاتھ آئے مگر جو ہاتھ آئے وہ تقریباً سب کے سب اپنی اپنی جگہ پر ایک کتاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔

کام کی وسعت کے پیشِ نظر میں نے حلقۂ انتخاب صرف دورِ جدید کے شعراء کے اردو کلام تک محدود رکھا۔ کم و بیش ایک لاکھ شعر پڑھ ڈالے۔ ان سے جو انتخاب کیا۔ اس کا حصہ نظم جو خضرِ مسیحا کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسی نام کے مجموعہ کیلئے علیحدہ کر لیا۔ باقی ماندہ منتخب اشعار کا ذخیرہ اتنا زیادہ نکلا کہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ

کہیں یہ بارِ خاطر ثابت نہ ہو۔ اسلئے اسکی وسعت کو سمیٹنے اور اسے زیادہ لطیف و دلکش بنانے کیلئے یہ ترکیب نکالی کہ ہر موضوع پر صرف ایسے اشعار پیش کیے جائیں جو اسکی حقیقت و اہمیت کو واضح کر کے کسی نتیجہ پر پہنچا سکیں اور ہر عنوان کے تحت ایسے اشعار رکھے جائیں۔ جن میں لفظِ عنوان بھی موجود ہو۔ تاکہ ان کی انفرادی یا اجتماعی حیثیت واضح نظر آئے۔

مختلف الخیال شعراء کرام کے نظریات کو ایک عنوان کے تحت اس طرح ترتیب دینا کہ وہ مجموعی حیثیت سے ایک مستقل مضمون کی صورت اختیار کر جائیں کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس نے انتخاب بھی زیادہ وقت لیا۔ بالآخر یہ سعی بارآور ہوئی اور حق تعالیٰ کے فضل خاص سے یہ انتخاب حسب منشا مکمل ہو گیا۔ جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل نادر ہے۔ اس میں صرف حقائق پر سے ہی پردہ نہیں اٹھایا گیا بلکہ اشعار کے باہمی ربط و ضبط سے انکے مختلف پہلوؤں پر اس طرح بحث و مناظرہ کیا گیا ہے کہ ترغیب و ترہیب اور پند و موعظت کا پہلو زیادہ روشن ہو گیا ہے۔ جو اس انتخاب کی اصل غرض و غایت تھی۔

انتخاب کی سختی معیار کی بلندی۔ خیالات کی پاکیزگی اور حقیقت کی ترجمانی کے با وجود میں بوثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ میں تعمیل فرمائش میں کس حد تک کامیاب رہا۔ اس کا فیصلہ صاحبِ فرمائش یا اربابِ سخن ہی کر سکتے ہیں البتہ اتنا ضرور ہے کہ تقریباً ایک صد شعرا کے کلام سے تقریباً ایک ہزار منتخب شدہ اشعار اربابِ ذوق کے لئے سرمایۂ بصیرت ہی ثابت ہوں گے۔

پھمبک۔ ملتان شہر
۱۵ دسمبر ۱۹۵۲ء

خوشہ چیں
عبدالرحمٰن خاں

فرمانِ

حکیم الامت

اے بندۂ آفاقی کر ذوقِ نظر پیدا

اس ضرب سے کھلتے ہیں اسرارِ حقیقت کے

خروشِ جوش

لیلائے سخن کو آنکھ بھر کر دیکھو
قاموس و لغات سے گذر کر دیکھو
الفاظ کے سر پہ نہیں اُڑتے معنی!
الفاظ کے سینے میں اُتر کر دیکھو

(الف)

ابتدا و انتہا

جگرؔ

تیری خبر نہیں۔ مگر اتنی تو ہے خبر
تو ابتدا سے پہلے ہے تو انتہا کے بعد

جگرؔ

تجھی سے ابتدا ہے۔ تو ہی اک دن انتہا ہوگا
صدائے ساز ہوگی اور نہ سازِ بے صدا ہوگا

اصغرؔ

سُنی حکایتِ ہستی تو درمیاں سے سُنی
نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

جگرؔ

ابتدا وہ تھی کہ تھا جینا محبت میں محال
انتہا یہ ہے کہ اب مرنا بھی مشکل ہوگیا

مجذوبؔ

کشتیٔ دل یہ ناگہاں آگئی ناخدا کہاں
ہٹیے تو ابتدا نہیں بڑھیے تو انتہا نہیں

اقبالؔ

خردمندوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے
کہ میں اس فکر میں رہتا ہوں میری انتہا کیا ہے

ظفر علی خاں

عبث ناز کرتے ہیں ہم ابتدا پر
ہمیں دیکھنا چاہیئے۔ انتہا کو

اتحاد

اثرؔ

تفرقہ کے ذکر سے بہتر ہے ذکرِ اتفاق
وہ پیامِ موت ہے۔ یہ ہے پیامِ زندگی

اقبالؔ

وصل کے اسباب پیدا ہوں تری تحریر سے
دیکھ۔ کوئی دل نہ دکھ جائے تری تقریر سے

اکبرؔ

جو بات ٹھیک ہے کہتا ہوں میں اُسے کھل کر
کہ سلطنت نہ سہی۔ تم رہو۔ تو۔ مل جل کر

اثر

اقبالؔ

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں۔ طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

اقبالؔ

خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے
وہ اثر رکھتی ہے خاکسترِ پروانۂ دل

ظفر علی خاں

فریاد اثر سے کبھی خالی نہ رہے گی
ہوگا یہ اثر نالۂ شبگیر سے پیدا

؟

طلبِ عاشقِ صادق میں اثر ہوتا ہے
گو ذرا دیر میں ہوتا ہے مگر ہوتا ہے

ظفر علی خاں

آپ تکبیر کے نعروں کا اثر کیا جانیں
ان کی اک گونج سے تسخیر جہاں ہوتا ہے

اسؔد ملتانی

تھا اثر جس کا جہانبانی و عالمگیری
اب ہے وہ جذبہ نہ ترکوں میں۔ نہ افغانوں میں

مجذوبؔ

رکھتے ہی نہیں آہ میں اب کوئی اثر ہم
کر دیتے تھے دنیا کو کبھی زیر و زبر ہم

۹

دعا۔ فتویٰ۔ وظیفہ۔ وعظ۔ تدریس
سبھی کچھ ہے۔ اثر کچھ بھی نہیں ہے

اقبالؔ

یا مری آہ میں کوئی بھی شرر زندہ نہیں
یا ذرا نم ابھی تیرے خس و خاشاک میں ہے

اقبال

آگ اس کی پھونک دیتی ہے - برنا و پیر کو
لاکھوں میں ایک بھی ہو - اگر صاحب یقیں

اکبر

خدا سے تم دل ملاؤ اپنا - زبان کو پھر ملاؤ دل سے
تو دیکھ لینا کہ پُر اثر ہے - زباں سے جو کچھ نکل رہا ہے،

اکبر

پنہاں ہیں خموشی و تصوّر میں کمالات
لیکن اثر لفظ و صدا بھی ہے کوئی چیز

اکبر

پختہ طبعوں پر حوادث کا نہیں ہوتا اثر
کوہساروں میں نشانِ نقش پا ملتا نہیں

محسن

دل میں کچھ ہے اور زباں پر کچھ - کہاں سے ہو اثر
ساز ہم آہنگ ہوں - تو سوز ہو آواز میں،

احسان

ظفر علی خاں

ہے مسلمان وہی تسلیم ہو جس کا آئین
آدمی ہے وہی احسان ہو جس کا دستور

اکبر

یہ ہے کہ جھکاتا ہے مخالف کی بھی گردن
سُن لو کہ کوئی شے نہیں احسان سے بہتر

اقبال

دوا ہر دکھ کی ہے مجروحِ تیغِ آرزو رہنا
علاجِ زخم ہے آزادِ احسانِ رفو رہنا

؟

تھی نہ توفیق اگر احساں کی
دل کسی کا نہ دُکھایا ہوتا

اختیار

اکبرؔ

چلتی نہیں کچھ اپنی۔ کوئی ہزار چاہے
ہوتا ہے بس وہی۔ جو پروردگار چاہے

خاموشؔ لدھیانوی

جینے پہ اختیار۔ نہ مرنے پہ اختیار
اچھا ہے اختیار کہ بے اختیار ہیں

آسدؔ ملتانی

جو کائنات مسخر بھی ہو تو کیا حاصل
نہیں ہے موت پہ انسان کا اختیار افسوس

عدمؔ

کیا زندگی ملی ہے پرایوں کے رحم پر
دل اختیار میں۔ نہ نظر اختیار میں

مجذوب

مجذوب عذرِ دیدۂ تباں یک قلم غلط
آنکھیں تو بس میں ہیں۔ نہ سہی اختیارِ دل

ضامن

معنیٔ جبر و اختیارِ عشق میں یہ ہوئے ہیں حل
دل کو ہیں اختیار سب۔ دل نہیں اختیار میں

یاس یگانہ

مری بہار و خزاں جس کے اختیار میں تھی
مزاج اُس دلِ بے اختیار کا نہ ملا

وحشت

جہانِ کار ہے یہ۔ اور تو دلِ ناداں
فریب مسئلۂ جبر و اختیار میں ہے

وحشت

ہر ایک بات پہ مشکل ہے عذرِ مجبوری
کہ آدمی کو بظاہر کچھ اختیار بھی ہے

عدمؔ

مجبوریوں پہ اشک بہانا کبھی کبھی
اس کے بغیر کیا ہے مرے اختیار میں

حفیظؔ جالندھری

مجھ کو ان مجبوریوں میں بھی ہے اتنا اختیار
آہ کر لیتا ہوں میں فریاد کر لیتا ہوں میں،

ظفر علی خاںؔ

مَیں اپنے دل کے اندر اک جہاں آباد پاتا ہوں
اسی کی سلطنت اچھی۔ اسی پر اختیار اچھا

آخرت

؟

نہ اُس گھر کو کبھی بھولو جس کے آگے
یہ دو ساعت کا گھر کچھ بھی نہیں ہے

اکبرؔ

ہر میں سودا آخرت کا ہو یہی مقصود ہے
مغربی ٹوپی پہن یا مشرقی دستار باندھ

اکبرؔ

ہاں نفس کے بندے لڑتے ہیں شوکت کیلئے۔ دنیا کیلئے
جو حق کی طرف سے مصلح ہیں۔ ہیں تیغ بکف عقبیٰ کے لئے

افقؔ

یہ دنیا مزرع عقبےٰ ہے۔ جو بوئے گا۔ وہ کاٹے گا
موقع ہے افق یہ بونے کا۔ بے۔ جو تجھ کو بونا ہے

اخلاص

اقبالؔ

اخلاصِ عمل مانگ نیاگانِ کہن سے
شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

اقبالؔ

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گذر بادہ و جام سے گذر

عدمؔ

جہاں دلوں سے زیادہ عزیز ہو دولت
وہاں خلوصِ خریدار کس نے دیکھا ہے

رفیقؔ

جس کو دیکھو ہے وہ اپنی ہی غرض کا بندہ
صدق و اخلاص کا دنیا میں کہیں نام نہیں،

اخوّت

ظفر علی خاں

اخوّت اس کو کہتے ہیں چبھے کانٹا جو کابل میں
تو دہلی کا ہر اک پیر و جواں بے تاب ہو جائے

اقبال

یہی مقصودِ فطرت ہے۔ یہی رمزِ مسلمانی
اُخوّت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

ظفر علی خاں

اُخوّت کا سبق تم کو پڑھایا ہے پیمبر نے
مگر دل میں لئے پھرتے نفاق و بغض و کیں تم ہو

طارق

دنیا میں بھی نفاق ہے دیں میں بھی ہے نفاق
امدادِ باھمی کو۔ اُخوّت کو کیا ہوا

ادا

جوہر

ہمیں ہر چیز میں آتی ہے نظر یارب ادا تیری
وہ کیسے ہوں گے جن لوگوں نے تجھکو بے نشاں پایا

مجذوب

یہ ابر۔ یہ منظر۔ یہ ہوائیں۔ یہ فضائیں
کیا شاہدِ فطرت کی ہیں مستانہ ادائیں

جگر

کس ادا پہ جان دوں؟ تو ہی بتا اے چشمِ یار
جس ادا کو دیکھتا ہوں۔ حسن کی تصویر ہے

اقبال

فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی اداؤں پر
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادا تو نے

راحتؔ

تھی اداؤں میں ان کی تجلی کا اثر
لے لیا راحتؔ کا دل اک آن میں

اصغرؔ

تیغ اداؤں اسکے ہے اِک روحِ تازگی
ہم کشتگانِ شوق کو مرنا نہ چاہیے

؟

ہر ادا جوشِ جوانی کی قیامت خیز ہے
یعنی تسکیں وہ اشارہ بھی بلا انگیز ہے

جگرؔ

حسن کی ایک اک ادا پر جان و دل صدقے مگر
لطف کچھ دامن بچا کر ہی گزر جانے میں ہے

اکبرؔ

نئی ادا یہ نہیں فلک کی سدا سے اسکا یہی ہے شیوہ
کسی کو حد سے سوا بڑھانا۔ کسی کو بالکل تباہ کرنا

ادب

انور کرمانی

ادب شرطِ اول ہے راہِ وفا میں
جنوں کے لئے موت ہے بے شعوری

اقبال

خموش اے دل بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا
ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

مجذوب

خلاصہ مجھ سے سن لے۔ کوئی آدابِ محبت کا
دعائیں دل میں دینا۔ ظلم سہنا۔ بے زباں رہنا

اکبر

بہت دشوار ہے۔ شائستہ راہِ طلب ہونا
نظر کا حد میں رہنا۔ شوقِ دل کا با ادب ہونا

اکبرؔ

بزرگوں کا ادب۔ اللہ کا ڈر۔ شرم آنکھوں میں
انہیں اوصاف کی نسبت مذاہب میں اشارا ہے

اکبرؔ

پہچان بزرگی کی ہے یہی۔ دل خوفِ خدا کی زد میں رہے
اندیشہ بہت گستاخ نہ ہو۔ اور وہم ادب کی حد میں رہے

اکبرؔ

صرف دعووں سے تو آتی نہیں عظمت دل میں
آنکھ کچھ دیکھتی ہے۔ تب وہ ادب کرتی ہے،

حسرتؔ موہانی

صادق نہیں وہ عشق۔ جسے از رہِ نیاز،
منظور۔ نازِ حسن کا۔ پاسِ ادب نہیں

اکبرؔ

ملت کا ادب اٹھ گیا جس قوم کے دل سے
اقبال کی سمت اس نے کبھی راہ نہ پائی

آرزو

اکبرؔ

اچھی وہ آرزو ہے جو دل کا ادب کرے
اچھا وہ دل۔ جو درد کی لذّت طلب کرے

آسؔد ملتانی

اگرچہ عقل بھی کرتی ہے آرزو پیدا
یہ عشق ہے جو اسے بے پناہ کرتا ہے

روشؔ صدیقی

آرزوؤں نے ہزاروں پیچ و خم پیدا کئے
زندگی کا راستہ تھا۔ بے نیازِ پیچ و خم

مجذوبؔ

کوئی دیکھے تو یہ راہِ طلب میں آرزو میری
کہ میں بیٹھا رہوں منزل کرے خود جستجو میری

جگر

ہجوم شوق میں دل کے بھی ہو گئے ٹکڑے
مکاں تنگ تھا۔ دنیائے آرزو کے لئے

اکبر

کیا وہ خواہش کہ جسے دل بھی سمجھتا ہو حقیر
آرزو وہ ہے جو سینے میں رہے ناز کے ساتھ

حفیظ جالندہری

گلزارِ آرزو میں ہیں رنگینیاں بہت
کچھ بھی نہیں حفیظ۔ فریبِ خیال ہے

اقبال

کوئی دل ایسا نظر نہ آیا۔ نہ جس میں خوابیدہ ہو تمنا
الٰہی تیرا جہان کیا ہے نگار خانہ ہے آرزو کا

حفیظ جالندہری

باغِ ہستی میں عجب شے ہے نہالِ آرزو
جس قدر بڑھتا گیا۔ یہ بے ثمر ہوتا گیا

حسرت موہانی

وصل کی بنتی ہیں ان باتوں سے تدبیریں کہیں
آرزوؤں سے پھرا کرتی ہیں تقدیریں کہیں

حسرت موہانی

ہم کیا کریں۔ نہ تیری اگر آرزو کریں
دنیا میں اور بھی کوئی تیرے سوا ہے کیا

جوہر

جینا وہ کیا۔ کہ دل میں نہ ہو تیری آرزو
باقی ہے موت ہی۔ دلِ بےمدعا کے بعد

اقبال

تری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری
مری دعا ہے۔ تری آرزو بدل جائے

آزادی

ثاقبؔ کانپوری

ممکن نہیں ہے دہر میں آزادئ حیات
ہر زندگی ہے کاہشِ زنداں لئے ہوئے

اقبالؔ

اس چمن میں مرغِ دل گائے نہ آزادی کا گیت
آہ۔ یہ گلشن نہیں ایسے ترانے کے لئے

بسملؔ

ہے دھوکا اک تخیل کا۔ جسے کہتے ہیں آزادی
غبارِ راہِ مجبوری ہے انساں نام ہے جس کا

طاہرؔ

رہ کے دنیا میں کوئی ہو نہیں سکتا آزاد
یاں تمدن میں وہ قیدی ہیں جو زنداں میں نہیں

اقبال

جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
غلامی ہے اسیرِ امتیازِ ما و تو رہنا

ظفر علی خاں

پہلو میں ہو دل۔ دل میں ہو یقیں سر پر ہو کفن کف میں ہو سناں
جب جمع یہ اجزا ہوتے ہیں۔ بنتا ہے قوام آزادی کا

اصغر

بنا لیتا ہے موجِ خونِ دل سے اک چمن اپنا
وہ پابندِ قفس۔ جو فطرتاً آزاد ہوتا ہے

جگر

یہی ہے رازِ آزادی، جہاں تک یاد ہوتا ہے
کہ نظریں قید ہوتی ہیں۔ تو دل آزاد ہوتا ہے

جگر

بڑی مشکل سے پیدا اک وہ آدم زاد ہوتا ہے
جو خود آزاد۔ جس کا ہر نفس آزاد ہوتا ہے

اقبالؔ

مجھے تہذیبِ حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی

کہ ظاہر میں تو آزادی ہے۔ باطن میں گرفتاری

اثرؔ صہبائی

خدا کرے ترے قلب و نظر بھی ہوں آزاد

عطا ہوئی تو ہے۔ تجھ کو وطن کی آزادی

خاموشؔ لدھیانوی

بہ اصطلاحِ سیاست تو ہو گئے آزاد

ہمارے ذہن بدستور ہیں غلام ابھی

اقبالؔ

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملّت

ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارہ

اسدؔ ملتانی

انسان ہو اللہ کے قانون کا پابند

اور اسکی بدولت رہے ہر بند سے آزاد

اسبابِ تنزل

اقبالؔ

تن بہ تقدیر ہے آج ان کے عمل کا انداز
تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر

ظفرؔ علی خاں

قولِ پیغمبر بنا سرمایۂ لہوالحدیث
قصۂ پارینہ ٹھہرا ربِ اکبر کا کلام

ظفرؔ علی خاں

جہاں میں حکومت ہے طاغوتیوں کی
بھلایا ہے بندوں نے اپنے خدا کو

اقبالؔ

خود بدلتے نہیں - قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

استغنا

دردؔ

اپنے دامن کو نہ کر غیر کے آگے تو دراز
تیرے اسلاف نے خشکی میں چلائے ہیں جہاز

اقبالؔ

نہ ڈھونڈھ اس چیز کو تہذیبِ حاضر کی تجلی میں
کہ پایا مَیں نے استغنا میں معراجِ مسلمانی

اقبالؔ

خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں
زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے۔ تو استغنا!

اقبالؔ

یہ استغنا ہے پانی میں نگوں رکھتا ہے ساغر کو
تجھے بھی چاہیئے۔ مثلِ حبابِ آبجو رہنا

آسرا

۹

ہر طرف ہے ایک طوفانِ حوادث آشکار
مطمئن ہو جس سے دل وہ آسرا ملتا نہیں

خاموش لدھیانوی

اب بوجھ بن کے رہ گئی ہے اپنی زندگی
تھا جن پہ آسرا۔ وہ سہارے چلے گئے

مرزا احسان

نظر حیراں۔ زباں خاموش۔ دل مجبور۔ جان عاجز
بس اب تو کچھ ترا ہی آسرا معلوم ہوتا ہے

چنگیز

نہیں دنیا میں کوئی بھی کسی کا
خدا کا آسرا ہے اور میں ہوں

اسلام

اکبر

خوفِ حق الفتِ احمد کو نہ چھوڑے اکبر
منحصر ہے انہیں دو لفظوں پہ سارا اسلام

اسد ملتانی

نہ ہو اسلام کیوں ممتاز دنیا بھر کے دینوں میں
وہاں مذہب کتابوں میں یہاں قرآن سینوں میں

صفی

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

ظفر علی خاں

سارے جہاں کی پیاس بجھانی محال ہے
اسلام کے پیالۂ لبریز کے بغیر

ظفر علی خاں

شرط اسلام ہے تسلیم و رضا۔ صلح و سلام
یہ سبق سیکھ لے توحید کے دیوانوں سے

۹

نسبت نہیں ہے۔ دور کی اسلام سے انہیں
کرتے ہیں بے دھڑک جو درِ غیر پر سجود

نشتر جالندھری

کمزور مسلماں ہیں۔ الحاد ہے زوروں پر
اس وقت بہت نازک اسلام کی حالت ہے

۹

خبر اسلام کی لو۔ زاہدو! چھوڑو مصلوں کو
نوافل پر مقدم ہے۔ فرائض کا ادا ہونا

آسی ملتانی

ہزار حیف ہے اس شخص پر جو علم کے بعد
عمل مقاصدِ اسلام کے خلاف کرے

آشیاں

اقبال

بنائیں کیا سمجھ کر شاخِ گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ! کیا رہنا۔ جو ہو بے آبرو رہنا

جگر

ہر شاخ پر ہے باغ میں صیّاد کی نگاہ
مطلب یہ ہے کہیں نہ مرا آشیاں رہے

جگر

چلی کچھ ایسی مخالف ہوا زمانے کی
پناہ برق نے لی میرے آشیانے کی

خاموش لدھیانوی

خود بجلیوں میں اپنا نشیمن بنا لیا
آزاد ہو گئے ہیں غمِ آشیاں سے ہم

اعتبار

مجذوبؔ

علاوہ دل کے کوئی جس پہ اختیار نہیں
ملی وہ زیست کہ جس کا کچھ اعتبار نہیں،

آسدؔ ملتانی

نہیں ہے ہستیِ موہوم کا یقیں کچھ بھی
نہیں ہے عمرِ دوروزہ کا اعتبار افسوس

وحشتؔ

تمہارے وعدے پہ جینے کو میں تو ہوں تیار
مگر بتاؤ کہ جینے کا اعتبار کہاں

عدمؔ

غبارِ راہ میں پنہاں تھی منزلِ مقصود
مگر تھکی ہوئی ہمت کو اعتبار نہ تھا،

خاموش لدھیانوی

فریبِ گوش و نظر ہے نشاطِ نغمہ و گل
تو ذوقِ دیدہ و دل کا بھی اعتبار نہ کر

؟

غیر کی جھوٹی محبت کا نہ کرنا اعتبار
مَیں نے دنیا دیکھ لی ہے تم نے کچھ دیکھا نہیں

عدمؔ

بہت حسیں ہیں مقاماتِ اعتبار مگر
مشاہدات یہ کہتے ہیں۔ اعتبار نہ کر

اکبرؔ

اعتبار ان کا کر اکبر جو ہیں پابندِ نماز
ہیں یہی لوگ کہ جو وقت پہ کام آتے ہیں

آغاز و انجام

جوشؔ

نازتھا۔ جس صبحِ نورانی پر۔ اس کی شام دیکھ
دیکھ اپنے شاندار آغاز کا۔ انجام دیکھ

اکبرؔ

موت کو بھول گیا۔ دیکھ کے جینے کی بہار
دل نے پیشِ نظرِ انجام کو رہنے نہ دیا

وحشتؔ

تجھے دھوکا نہ دیں یہ دلفریب آغاز کی شکلیں
بُرا جو کام ہے۔ اس کا بُرا انجام ہوتا ہے

رواںؔ

تدبیر پہ منحصر۔ نہ اوقات پہ ہے
انجامِ عمل۔ خدا ہی کی ذات پہ ہے

امتیاز

وحشت

ناحق ہے امتیاز خواص و عوام کا
کردیگی خاکِ قبر برابر ہر ایک کو

اکبر

منزلِ عشق و توکل۔ منزلِ اعزاز ہے
شاہ سب بستے ہیں یاں۔ کوئی گدا ملتا نہیں

حاکم

ہے میکدہ ہی حاکم وہ مقامِ امن جہاں
کوئی فقیر نہیں۔ کوئی بادشاہ نہیں

طالوت

کعبۂ دل میں نہیں ہے امتیاز
کافرِ صد سالہ یاں محمود ہے

امداد

جوہر

وہ خود ہی کہہ رہا ہے کہ مانگو مدد مگر
ایاک شرط یاد رہے نستعین کی

میکش

غور کر۔ دیکھ۔ ہے کیا رتبۂ ذی جاہ تیرا
اے مسلماں مددگار ہے اللہ تیرا

اکبر

جسے حکومت کا نشہ ہوگا۔ فلک سدا اس سے کد کریگا
جو صبر و طاعت سے کام لیگا۔ خدا اسی کی مدد کریگا

امروز و فردا

اقبالؔ

وہ کل کے غم و عیش پہ کچھ حق نہیں رکھتا
جو آج خود افروز و جگر سوز نہیں ہے

اقبالؔ

وہ قوم نہیں لائق ہنگامۂ فردا
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے

اقبالؔ

فتنۂ فردا کی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ آج
کانپتے ہیں کوہسار و مرغزار و جوئبار

طبیبؔ

دلِ زندہ کبھی امروز سے فرصت نہیں پاتا
دلِ مردہ مزے لیتا ہے اگلی داستانوں میں

اُمید و یاس

اکبرؔ

بشر کو زندگی میں غفلتِ امیدِ فردا ہے
مگر دم بھر بھی اپنے قصد سے ودجی نہیں سکتا

وحشتؔ

ڈبویا ہے مجھے امید کی ہی سادہ لوحی نے
وہی حسرت بنا ہے پہلے جو ارمان تھا دل میں

محویؔ

نہ دامِ یاس دبلے دل میں آ جو ہوشیار ہے
عذابِ خوش گوار ہے۔ یہ زندگی کے واسطے

اکبرؔ

پیدا کیا ہے جس نے۔ امید ہے اسی سے
کچھ شک نہیں ہے اس میں بس ہے وہی ہمارا

ظفر علی خاں

اگرچہ لغزشیں مری بخشش کی مستحق نہیں،
نہیں ہوں ناامید میں خدا کے لطفِ عام سے

وحشت

بنیاد کچھ تو چاہیئے۔ اُمید کے لیئے
سعی عبث ہے۔ دل کو جو بہلا رہا ہوں میں

اکبر

اُمیدیں ٹوٹتی ہیں۔ تو بہت صدمہ پہنچتا ہے
جو اُمیدیں کریگا کم اسے صدمے بھی کم ہونگے

وحشت

اُمیدوں سے یہاں جس سادہ دل کو کام ہوتا ہے،
وہی مایوس ہوتا ہے۔ وہی ناکام ہوتا ہے

اقبال

بتوں سے تجھ کو امیدیں۔ خدا سے نامیدی
مجھے بتا تو سہی ؟ اور کافری کیا ہے

انسان

اقبالؔ

کوئی اب تک نہ یہ سمجھا کہ انساں
کہاں جاتا ہے آتا ہے کہاں سے

اکبرؔ

انسان اگر معرفتِ حق سے ہو غافل
کیا شک کہ بہائم ہیں اس انسان سے بہتر

ضیاؔ

خود سے غافل ہے ستاروں کا تمنائی ہے
ابنِ آدم کا یہ معیارِ نظر ہے ساقی

۹

جس کو اپنے آپ کی پہچان ہے
اصل میں انسان وہ انسان ہے

جگرؔ

وہی انساں جسے سرتاجِ مخلوقات ہونا تھا
وہی اب سی رہا ہے اپنی عظمت کا کفن ساقی

جگرؔ

عرش تک ہو نہیں سکتی جو رسائی نہ سہی
یہی انساں کی ہے معراج کہ انساں ہو جائے

ہلالؔ

حرف تو ہے دل میں یا پھر اک جہاں آباد ہے
قید ہے اتنا ہی انساں جس قدر آزاد ہے

اثرؔ صہبائی

سانپ تو سانپ کو نہیں ڈستا
آدمی آدمی کو ڈستا ہے

اقبالؔ

ابھی تک آدمی صیدِ زبونِ شہریاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے

اکبرؔ

انسان نے انسان سے کی جنگ ہمیشہ
دنیا کے نظر آئے یہی رنگ ہمیشہ

صادقؔ

انسان کو انسان ہی جینے نہیں دیتا،
صادقؔ ابھی اس بات کا حل سوچ رہا ہوں

اثرؔ صہبائی

یزداں سے خجل ہوں۔ اہرمن سے مغلوب
کچھ بھی ہوتا۔ مگر نہ انسان ہوتا،

اکبرؔ

خدا کے واسطے دنیائے دوں سے منہ جو موڑے ہیں
وہی ہیں مستند انسان۔ مگر افسوس تھوڑے ہیں

۹

چند انسانوں سے قائم شان ہے
ہر بشر ورنہ کہاں انسان ہے

آنسو

جگرؔ

حقیقت کھول کر اک دن رہینگے
وہ آنسو۔ جو ہیں چشم راز داں میں

ثاقبؔ کانپوری

کر رہا ہے شرحِ دردِ دل۔ زبانِ راز سے
آہ وہ آنسو۔ جو اب تک دیدۂ بسمل میں ہے

جگرؔ

اُنہیں آنسو سمجھ کر یوں نہ مٹی میں ملا ظالم
پیامِ دردِ دل ہے اور آنکھوں کی زبانی ہے

؟

ہم نے چھپائی لاکھ محبت نہ چھپ سکی
آنکھوں نے رو کے یار سے اظہار کر دیا

انقلاب

اقبالؔ

ایک صورت پر نہیں رہتا کسی شے کو قرار
ذوقِ جدّت سے ہے ترکیب مزاجِ روزگار

۹

کوئی شے ایک سی رہتی نہیں گلزارِ ہستی میں
جہاں کا ذرّہ۔ ذرّہ ساتھ لے کر انقلاب آیا

اکبرؔ

انقلابِ دہر دیکھو بن گیا آقا غلام
قصر کا مالک جو تھا۔ اب اس کا درباں ہو گیا

اصغرؔ

کیوں شکوہ سنج گردشِ لیل و نہار ہوں
اک تازہ زندگی ہے ہر اک انقلاب میں

اکبرؔ

تمہیں اس انقلابِ دہر کا کیا غم ہے اے اکبرؔ
بہت نزدیک ہیں وہ دن کہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

اقبالؔ

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روحِ امم کی حیات کشمکشِ انقلاب،

اقبالؔ

تری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا
عجب نہیں ہے کہ یہ چار سُو بدل جائے

شفیقؔ

تغیر کی ضرورت ہے مگر ہو انقلاب ایسا
جو ماضی کے بھی کچھ آثار مستقبل میں رہنے دے

اقبالؔ

مزاجِ اہل عالم میں تغیر آگیا ایسا
کہ رخصت ہوگئی دنیا سے کیفیت وہ سیمابی

ایمان

وحیدی

ایمان کے لئے بھی ہے عزمِ صمیم شرط
جو یہ نہیں تو حاصل دنیا و دیں نہیں

نازش

فروزاں ہو اگر سینے میں ہمدم شمع ایمانی
فقیری میں بھی نیا دیکھتی ہے شانِ سلطانی

اکبر

ہر حال میں ہے دل کے لئے حافظ و ناصر
دولت کوئی ممکن نہیں ایمان سے بہتر

جوہر

جہاں ایماں ہو واں کیسے گذر ہو یاس و حرماں کا
کسی مومن کو بھی لے دل خدا سے بدگمان پایا

جوہر

ایمان واقعی ہو اگر غیب پر تو پھر
بُو آئے ہر امید سے حق الیقین کی،

اقبال

ولایت۔ پادشاہی۔ علم اشیار کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں فقط اک نقطۂ ایماں کی تفسیریں

اقبال

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے۔ اُدھر نکلے۔ اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

جگر

عشق کا ہاتھ سے پیمان نہ جانے پائے
جان جائے۔ مگر ایمان نہ جانے پائے

اسد ملتانی

دل میں ہو اور عمل پر اثر انداز نہ ہو
بات ایماں کی یہ ہے بات یہ ایماں کی نہیں

(ب)

باری تعالےٰ

کشفیؔ

نہیں اس کا کوئی ہمسر نہیں اس کا کوئی ثانی
سمجھنے کیلئے اس کو ہے عاجز عقلِ انسانی

اکبرؔ

ذہن میں جو گھر گیا۔ لا انتہا کیونکر ہوا
جو سمجھ میں آگیا۔ پھر وہ خدا کیونکر ہوا

اکبرؔ

تُو دل میں تو آتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا
بس جان گیا میں تری پہچان یہی ہے

جگرؔ

تجھ سے میں دور کسی وقت نہیں ہوں غافل
دل میں بیٹھا ہوا کوئی یہ صدا دیتا ہے

جگر

مجھی میں رہے مجھ سے مستور ہو کر
بہت پاس نکلے بہت دُور ہو کر

وحشت

وہ اس لیے پردے میں ہیں مستور کہ دیکھیں
عاشق کو مرے ذوقِ نظر ہے کہ نہیں ہے

اصغر

نگاہِ عشق تو بے پردہ دیکھتی ہے اُسے
خرد کے سامنے اب تک حجابِ عالم ہے

اقبال

وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں
یہ شیریں بھی ہے گویا۔ بے ستوں بھی۔ کوہکن بھی ہے

اصغر

جلوہ تیرا اب تک ہے۔ نہاں چشمِ بشر سے
ہر ایک نے دیکھا ہے۔ تجھے اپنی نظر سے

جوہر

تجھے تسکینِ دل پایا۔ تجھے آرامِ جاں پایا
نہاں بھی ہے تو کیا۔ تجھ کو جہاں ڈھونڈا وہاں پایا

اصغر

آنکھ ہو جب محوِ حیرت۔ تو نمایاں ہے وہی
فکر ہو جب کار فرما۔ تو وہی مستور ہے

اکبر

یہ جتنے ذرے جہانِ فانی کے اتنی شکلوں میں جلوہ گر ہیں
خدا کی ہستی کے سب ہیں شاہد اور اپنی ہستی سے بیخبر ہیں

اکبر

صفاتِ حق تعالیٰ فہمِ منکر میں نہیں آتے
وہ کہتا ہے کہ گویا کچھ نہ ہونا ہے خدا ہونا

وحشت

آنکھ میں جلوہ ترا۔ دل میں تری یاد رہے
یہ میسر ہو۔ تو پھر کیوں کوئی ناشاد رہے

جوہر

کوئی نامہرباں ہو کر ہمارا کیا بگاڑے گا
کرم تیرا تو ہے ہم پر تجھے تو مہرباں پایا

اکبر

تعلیم مذہبی کا خلاصہ یہی تو ہے
سب مل گیا اسے جسے اللہ مل گیا

اکبر

خدا کا نام گو اکثر زبانوں پر ہے آجاتا
مگر کام اس سے جب چلتا کہ یہ دل میں سما جاتا

آسد ملتانی

تغیراتِ جہاں سے خدا کو دیکھ لیا
اڑی جو خاک تو ہم نے ہوا کو دیکھ لیا

بدگمانی

اکبرؔ

کتنا ہی غم ہو۔ رہتی ہے اُمید بہتری
شکرِ خدا کہ قلب مرا بدگماں نہیں،

جوہرؔ

ہم کو تو ایک تجھ سے دو عالم میں ہے غرض
سب بدگماں ہوا کریں۔ تو بدگماں نہ ہو

ظفر علی خاں

اب بدگمانیوں کا زمانہ نہیں رہا
حاجت ہے ایک دوسرے پر اعتماد کی

مجذوبؔ

بھروسہ کچھ نہیں اس نفس امارہ کا اے زاہد
فرشتہ بھی یہ ہو جائے تو اس سے بدگماں رہنا

بصیرت

سہیلؔ

بصیرت وہ ہے جو ادراک کو حدِ نظر سمجھے،
حقیقت وہ حقیقت ہے جو پہچانی نہیں جاتی

اقبالؔ

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور۔ دل کا نور نہیں،

اسدؔ ملتانی

وہ چشم تو بینا ہی نہیں میری نظر میں
دیکھے جو فقط غیر کی آنکھوں کی مدد سے

اقبالؔ

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا۔ تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

اقبالؔ

جو ہے پردوں میں پنہاں چشمِ بینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے

حفیظ جالندھری

کبھی چشمِ بصیرت سے نہ دیکھی سرزمینِ دل
یہاں کا ذرّہ ذرّہ آفتابِ اوجِ عرفاں تھا

اکبرؔ

ملا ہے ہم کو یہ مضمونِ روشن چشمِ بینا سے
کہ چھوڑی جس نے خود بینی اسے سب کچھ نظر آیا

اقبالؔ

بھروسہ کر نہیں سکتے۔ غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردانِ حُر کی آنکھ ہے بینا

اکبرؔ

ہاں عطا کی ہے جنہیں چشمِ بصیرت حق نے
ان کے کان اب بھی ہیں قرآن کی آواز کے ساتھ

بقاء

کشفیؔ

حیاتِ اخروی کو ہے فقط رنگِ بقا حاصل
علاوہ اسکے جو کچھ ہے۔ وہ بے معنی و لاحاصل

مجذوبؔ

بقا بحرِ فنا میں غرق ہو کر ہم نے حاصل کی
یہ کشتی بھی عجب ہے۔ ڈوب کر ہی پار اترتی ہے

جوہرؔ

خود خضر کو تشبیہ کی اس تشنہ لبی سے
معلوم ہوا۔ آبِ بقا اور ہی کچھ ہے

خاموش لدھیانوی

ہوں جس کی بہاریں بھی ہم آغوشِ خزاں کی
تم اس چمنستاں میں بقا ڈھونڈ رہے ہو؟

بیخودی

اقبالؔ

شرابِ بیخودی سے تا فلک پرواز ہے میری
شکستِ رنگ سے سیکھا ہے میں نے بن کے بو رہنا

آرزوؔ

بیخودی ہی میں ہوا حاصل مجھے آخر سکوں
فہم اور ادراک سے اب بدگماں رہتا ہوں میں

اکبرؔ

بیخودی پردۂ کثرت جو اٹھا دیتی ہے
ہر طرف جلوۂ توحید دکھا دیتی ہے

جگرؔ

نہ اب خودی کا پتا ہے نہ بیخودی کا جگرؔ
ہر ایک لطف کو لطفِ خدا نے لوٹ لیا

بے نیازی

اقبالؔ

گدائے میکدہ کی شانِ بے نیازی دیکھ
پہنچ کے چشمۂ حیواں پہ توڑتا ہے سبُو

جگرؔ

سراپا آرزو ہوں۔ درد ہوں۔ داغِ تمنا ہوں
مجھے دنیا سے کیا مطلب کہ مَیں آپ اپنی دُنیا ہوں

اقبالؔ

اگر منظور ہو تجھ کو خزاں نا آشنا رہنا
جہانِ رنگ و بو سے پہلے قطع آرزو کر لے

وحشتؔ

نہ مجھ کو امید ہے کسی سے۔ نہ مجھ کو اندیشہ ہے کسی کا
مزے سے اپنی گزر رہی ہے۔ بھلا ہو اس لاتعلقی کا

بھروسہ

اسد ملتانی

تکیہ جو چاہیے۔ تو اُسی ذات پر اسد
جو منبعِ کمال ہے اور لایزال بھی

ظفر علی خاں

کرو خدا پہ بھروسہ جو سب سے اچھا ہے
پھر اپنی قوتِ بازو سے اعتصام کرو

افقؔ

ہمیشہ تم نام لو خدا کا۔ کرم پر اس کے رکھو بھروسہ
جو ڈھونڈیگا غیر کا سہارا۔ رہے گا دنیا کا وہ نہ دیں کا

؟

بھروسہ غیر کا چھوڑ۔ اعتمادِ نفس پیدا کر
گدا کی طرح اپنے ہاتھ پھیلانے سے کیا حاصل

حفیظ جالندھری

یہ دنیا دی وسائل کی طلب بھی کوئی حیلہ ہے

خدا پر رکھ نظر غافل۔ خدا تیرا وسیلہ ہے

مجذوبؔ

جب ایک اُسی ذات پہ رکھتے تھے نظر ہم

خطروں میں بھی گھس جاتے تھے بے خوف و خطر ہم

مجذوبؔ

بھروسہ نہیں اب جہاں میں کسی کا

کہ اب دور دورہ ہے بس پالسی کا

اکبرؔ

اے دوست مجھے تو ہے خدا ہی پہ بھروسا

دشمن کو مبارک ہو۔ مری گھات میں رہنا

اکبرؔ

میں کروں لاکھ ارادہ تو وہ کس کام کا ہے

بس بھروسہ مرے اللہ تیرے نام کا ہے

(پ)

پردہ

جگر

جس رنگ میں دیکھو اسے۔ وہ پردہ نشیں ہے
اور اس پہ یہ پردہ ہے کہ پردہ ہی نہیں ہے

رُشد

آدمیت خون روتی ہے۔ بپا ہے ایک حشر
آدمی خود بن گیا ہے۔ آدمیت کا حجاب

اثر

موت کے پردہ میں پنہاں ہے کوئی شکلِ حسین
خود بخود اٹھتا چلا جاتا ہے گامِ زندگی

اقبال

کوئی دیکھے تو ہے باریک فطرت کا حجاب اتنا
نمایاں ہیں فرشتوں کے تبسم ہائے پنہانی

(ت)

تاثیر

اکبرؔ

بے طاعت و نیکی نہیں تاثیر دعا کچھ
آنے کی نہیں بو، فقط حرص ہوا کچھ

صدقؔ

پاؤ گے اسی کی نگہ ہوش رُبا میں،
تاثیر ہے اے صدقؔ دوا میں نہ دعا میں،

تدبیر

اکبرؔ

جس تدبیر بڑی چیز ہے اس دنیا میں
مدد اس کام میں تم عقل رسا سے مانگو

آزادؔ

جن کو تدبیر زیست آتی ہے
موت بھی ان سے خوف کھاتی ہے

وحشتؔ

جانتا ہوں۔ جو نتیجہ ہوگا جد وجہد کا
اپنی جو تدبیر ہے۔ وابستۂ تقدیر ہے

مجذوبؔ

کب ذرا چلنے دیا چھوٹی ہوئی تقدیر نے
ہر قدم پر ٹھوکریں کھائیں مری تدبیر نے

تجلّی

اقبالؔ

ہے ذوقِ تجلّی بھی اسی خاک میں پنہاں
غافل تو نِرا صاحبِ ادراک نہیں ہے

روشؔ صدیقی

ہر تجلّی ہے خود حجابِ نظر
حسرتِ دید کا قصور نہیں

اصغرؔ

دعوئِ دید غلط ۔ دعوئِ عرفاں بھی غلط
کچھ تجلّی کے سوا چشمِ بصیرت میں نہیں ۔

اصغرؔ

صنم کدے میں تجلّی کی تاب مشکل ہے
حرم میں شیخ کو محوِ نماز رہنے دے

تقدیر

اکبرؔ

تدبیر سدا راست جو آتی نہیں اکبرؔ
انسان کی طاقت کے سوا بھی ہے کوئی چیز

ساحرؔ

جس کو دنیا کہہ رہی ہے گردشِ لیل و نہار
ایک چکر ہے وہ میری گردشِ تقدیر کا

اقبالؔ

اک آن میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر
ہے اس کا مقلد ابھی ناخوش ابھی خورسند

شکورؔ

شکستہ ہے خطِ تقدیر ہم تو پڑھ نہیں سکتے
خدا جانے خدا نے لکھ دیا کیا کیا مقدر میں

اقبال

راز ہے راز ہے۔ تقدیرِ جہان تگ‌ و تاز
جوشِ کردار سے کھل جاتے ہیں تقدیر کے راز

وحشت

ہر قدم پر دیکھتا جاتا ہوں مجبوری کا حال
کہتی ہے تقدیر۔ تو کیا۔ اور تری تدبیر کیا

ظفر علی خاں

خود عمل تیرا ہے۔ صورت گرتری تقدیر کا
شکوہ کرتا ہے۔ تو اپنا کر مقدر کا نہ کر

اقبال

ذرا تقدیر کی گہرائیوں میں ڈوب جا تو بھی
کہ اس جنگاہ سے میں بن کے تیغِ بے نیام آیا

ظفر علی خاں

کہہ دے کوئی ان سے کہ میں ہوں زادۂ توحید
تقدیر ہوئی ہے۔ مری تدبیر سے پیدا

صفدر

محکومِ مشیّت ہے ہر انسان کی تقدیر
بندے کا نہیں زور کچھ احکامِ قضا پر

طارق

تسخیر وہ اعجاز ہے جس سے طارق
تقدیر کا پانسہ بھی پلٹ جاتا ہے

اقبال

تقدیر شکن قوت باقی ہے ابھی اس میں
ناداں جسے کہتے ہیں تقدیر کا زندانی

حسرت موہانی

یہ بات عجب عادتِ انسان میں ہے داخل
تقدیر کا۔ خود کر کے خطا۔ نام لگائے

اقبال

خبر نہیں کیا ہے نام اس کا خدا فریبی کہ خود فریبی،
عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کے بہانے

فانی

جب میں نے دعاؤں کا رُخ سوئے فلک دیکھا
تدبیر کے پہلو میں تقدیر نظر آئی

جمال

تقریریں بھی ہوتی ہیں ہم تحریریں بھی لکھ چکے،
باتوں سے تقدیریں بدلیں ایسا جادو کوئی نہیں

تقویٰ

اکبرؔ

جوش اس کو کہتے ہیں کہ جو بیری میں بھی رہے
تقویٰ وہ ہے کہ جس کا اثر ہو جوان پر

جوہرؔ

زادِ تقویٰ تھا متاعِ کاروان جس وقت تک
نہ تھا لٹنے کا ڈر اُلٹا دلِ رہزن میں تھا

جوہرؔ

تقویٰ کے بعد خوف کہاں حزن پھر کہاں
عالم ہی اک جدا ہے وہ رنج و محن سے دور

افقرؔ

در خورِ فتویٰ نہیں زادِ تقویٰ چاہیے
رکھ مقدم سب سے اپنے قلب کی تطہیر کو

اکبرؔ

نئے طریقوں میں مقصدِ شرع کا رفو نہ ہو سکیگا
اُدھر جو پردہ نہ ہو سکے گا اِدھر بھی تقویٰ نہ ہو سکے گا

حسرتؔ

دل کا تقویٰ ہے خیر خواہیٔ خلق
ہو بشرطیکہ بر بنائے خلوص

تقلید

اُفق

طرزِ عمل کسی کا نہیں شرع میں دلیل
وہ لیڈرانِ ہند ہوں یا مصطفٰے کمال

وحشت

ہر بات میں زمانہ کی تقلید کیوں کرو
سب ایک ہی روش پہ چلیں کیا ضرور ہے

وحشت

بگڑ جاتے ہیں اپنے کام سارے تو بگڑ جائیں
طبیعت کو ہر ابن الوقت کی تقلید مشکل ہے

اقبال

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی
رستہ بھی ڈھونڈ خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

توکل

ظفر علی خان

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا
پھر انجام اس کی تیزی کا مقدر کے حوالے کر

جوہر

لَیسَ لِلاِنسَانِ اِلّا مَا سَعیٰ کو یاد رکھ
کر توکل پھر۔ تری تدبیر ہی تقدیر ہے

اکبر

بس تو اٹھتا ہوں تَوَکلتُ عَلَی اللہ کہہ کر
نہیں ہوتا جو کوئی میرا مددگار نہ ہو

شبلی نعمانی

بسر ہوتی ہے گر اوقات فیاضی پہ غیروں کی
تو سمجھے ہیں کہ بس زہد اور توکل کی یہی شان ہے

تمنا

جگرؔ

سمجھ میں جو نہ آئے۔ اور بے سمجھے نہ رہنے دے
اُسی کا نام شاید عشق ہیں۔ نامِ تمنا ہے

جگرؔ

کس کس پہ جان دیجئے۔ کس کس کو چاہیئے
گم ہو گئے ہیں بزمِ تمنا میں آ کے ہم

اکبرؔ

ہے اگر منزلِ راحت کی تلاش اے اکبرؔ
وہ جگہ ڈھونڈ۔ تمنا کی جہاں راہ نہ ہو

اکبرؔ

تدبیر کی کوئی حد نہ رہی اور بالآخر کہنا ہی پڑا
اللہ کی مرضی سب کچھ ہے بندے کی تمنا کچھ بھی نہیں

توحید

اکبرؔ

ہو دعویٰ توحید مبارک تمہیں اکبرؔ
ثابت بھی کرو۔ اس کو مگر طرزِ عمل سے

جوہرؔ

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

اقبالؔ

زباں سے گر کیا توحید کا دعوےٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بتِ پندار کو اپنا خدا تو نے

حفیظ جالندھری

توحید یہ نازا ایسا۔ دل محوِ ایازا ایسا
توڑا نہ گیا تجھ سے۔ محمود یہ بت خانہ

تہذیبِ نو

اقبالؔ

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف

ظفر علی خاں

تہذیبِ نو جب آئی۔ تو خوفِ خدا گیا،
اور ساتھ ساتھ حرمتِ رسولِ خدا گئی،

اکبرؔ

نئی تہذیب میں دقت زیادہ تو نہیں ہوتی
مذاہب رہتے ہیں قائم فقط ایمان جاتا ہے

ظفر علی خاں

ہے ناز نئی تہذیب پر جن کو اتنا
نہیں آدمیت گئی ان کو چھو بھی

(ث)

ثبات و دوام

اقبال

حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیّری
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی

اقبال

فریبِ نظر ہے سکون و ثبات
تڑپتا ہے ہر ذرّۂ کائنات

اقبال

ہے مگر اُس نقش میں رنگِ ثباتِ دوام
جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام

اقبال

ثباتِ زندگی ایمانِ محکم سے ہے دنیا میں
کہ المانی سے بھی پائندہ تر نکلا ہے تورانی

(ج)

جرأت

اقبال

جرأت ہو نمو کی۔ تو فضا تنگ نہیں ہے
اے مردِ خدا۔ ملکِ خدا تنگ نہیں ہے

حفیظ ہوشیارپوری

اتنا بلند ہو کہ تو سقفِ فلک کو چوم لے
یعنی فتادگی پسند صورتِ نقش پا نہ بن

اقبال

ایسی کوئی دنیا نہیں افلاک کے نیچے
بے معرکہ ہاتھ آئے جہاں تختِ جم و کے

اقبال

میری میں فقیری میں شاہی میں غلامی میں
کچھ کام نہیں بنتا۔ بے جرأتِ رندانہ

جستجو

وحشتؔ

گو میں ہوں تجھ سے دور تری آرزو تو ہے
تیرا پتا ملے۔ نہ ملے جستجو تو ہے

جوشؔ

قانون ہے یہ اس دنیا کا۔ جو ڈھونڈو گے وہ پاؤ گے
گرنے کا تصور کرتے ہو۔ ہر گام پہ ٹھوکر کھاؤ گے

امجدؔ

جستجو ہی اے امجدؔ رازِ کامیابی ہے
جس نے جابجا ڈھونڈا اس نے جابجا پایا

عدمؔ

جستجوؤں پر ثباتِ زیست کا ہے انحصار
جستجوئیں ختم ہوتی ہیں۔ تو مر جاتا ہوں میں

جگر

کیا خاک بسر کیجے۔ دنیائے رنگ و بو کی
مہلت نہ آرزو کی۔ فرصت نہ جستجو کی

جگر

صحرائے جستجو سے نہ آگے قدم بڑھے
گم اس کی وسعتوں میں ہر اک کارواں ہوا

شفیق

رموزِ کائنات کی شفیق جستجو نہ کر
خودی کا اقتضا یہ ہے خود اپنا رازداں بنے

؟

خود تیرے دل میں ہیں پوشیدہ ہزاروں طوفاں
جستجو چھوڑ کے۔ تو ماہیِ تالاب نہ ہو

نیاز

یہ تجلیوں کی کثرت یہ ہجومِ رنگ و بو ہے
میں تو خود ہی کھو گیا ہوں مجھے اپنی جستجو ہے

جفا

اقبال

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو۔ تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

وحشت

نہ تونے کی کمی کوئی۔ نہ میں ثابت ہوا قاصر
رہیں دست و گریباں ہی جفا تیری وفا میری

؟

جفا کی تیغ سے گردن بھی کاٹ دو میری
مگر زبان نہ ہوگی کبھی خلافِ ضمیر

تاجور

جفائے دوست بنی رہنمائے منزلِ دوست
وہ کھو رہے ہیں مجھے۔ اُن کو پا رہا ہوں میں

اسد ملتانی

مخصوص ہے میرے لئے تیرا ستم اے دوست
اک شانِ وفا ہے ترے اندازِ جفا میں،

۹

جفائیں سہتے ہیں صدمے اٹھائے جاتے ہیں
یہ اک ہمیں ہیں کہ تم سے نبھائے جاتے ہیں

جلوہ

مجذوبؔ

تو دیکھا اس کا ہر سو پھر بھی وہ مستور ہے
جلوہ تو کیا ہو گا اس کا جس کا پردہ نور ہے

اصغرؔ

اُٹھا رکھا ہے اس نے اپنے جلوے کو قیامت پہ
قیامت ہے وہ جلوہ اس کو کیا حاجت قیامت کی

؟

مجھے معلوم ہے۔ جلوے ترے مستور نہیں،
آنکھ سے دور ہے تو۔ دل سے مگر دور نہیں،

جگرؔ

ہر جلوہ ہے بجائے خود اک دعوت نگاہ
کیسے کیجئے۔ جو تیری تمنا نہ کیجئے

بیدم وارثی

کبھی خیال کی حد تک تھا یار کا جلوہ
اور اب ہے جلوہ ہی جلوہ خیالِ یار نہیں

وحشت

دیکھا ہے چشمِ شوق نے تجھ کو؟ غلط غلط
تو جلوہ گر جہاں تھا۔ وہاں کس کو ہوش تھا

جمہوریت

اقبالؔ

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں۔ تولا نہیں کرتے،

اقبالؔ

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری

اقبالؔ

تو نے دیکھا ہی نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن۔ اندروں چنگیز سے تاریک تر

فاخرؔ ہریانوی

شخصی حکومتوں کا ہے جمہوریت لباس
ہاں یہ بھی اک فریب ہے سرمایہ دار کا

آسد ملتانی

یہ وحیِ خاص پر قائم وہ عقلِ عام پہ مبنی
کجا آئینِ اسلامی کجا دستورِ جمہوری

جعفری

شرع کے ہم نہیں پابند تو مجبوری ہے
کیونکہ اپنی جو حکومت ہے وہ جمہوری ہے

جنوں

اقبالؔ

زمانہ عقل کو سمجھا ہُوا ہے مشعلِ راہ
کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحبِ ادراک

مرزا احسان

عبث ہوش و خرد کا ادّعا معلوم ہوتا ہے
جنوں ہی زندگی کا رہنما معلوم ہوتا ہے

عدمؔ

خرد کے ٹوٹے ہوئے ستارے عدم کہاں تک چراغ بنتے
جنوں کی روشن نظر ہی آخر دلوں کو رستے دکھا رہی ہے

روشؔن صدیقی

وہ قیس ہی تھا۔ جو جیب و داماں کی دھجیوں سے رہا اُلجھتا
مَیں اس جنوں کی تلاش میں ہوں جو چاک نیرِ نقاب کر دے

اقبالؔ

ایسا جنوں بھی دیکھا ہے مَیں نے
جس نے سیئے ہیں تقدیر کے چاک

جگرؔ

دل ہیں باقی نہیں ۔ وہ جوشِ جنوں ہی ورنہ
دامنوں کی نہ کمی ہے ۔ نہ گریبانوں کی

مرزا احسانؔ

جنوں کیسے کہوں تیرے جنوں کو مَیں کہ تو اتنک
غمِ سود و زیاں میں مبتلا معلوم ہوتا ہے

اکبرؔ

جوش میں آئے جو قرآں سے وہ خون اچھا ہے
کفر پہ غصہ دلائے ۔ وہ جنوں اچھا ہے

جوانی

اکبرؔ

جوانی کی دعا لڑکوں کو ناحق لوگ دیتے ہیں
یہی لڑکے مٹاتے ہیں۔ جوانی کو جواں ہو کر

اقبالؔ

ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انگبیں

اکبرؔ

کچھ قدر نہ کی عہدِ جوانی کی صد افسوس
ہم رہ گئے غفلت میں یہ آیا بھی گیا بھی

جگرؔ

دن جوانی کے جگرؔ بے خبری میں گزرے
ہوش کا وقت جب آیا۔ تو مجھے ہوش نہ تھا

(چ)

چشم

اقبالؔ

جہانبانی سے ہے دشوار تر کارِ جہاں بینی
جگر خوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا!

اصغرؔ

لوگ مرتے بھی ہیں، جیتے بھی ہیں بیتاب بھی ہیں
کون سا سحر تری چشمِ عنایت میں نہیں

عدمؔ

اے دل کسی کی چشمِ کرم پر نہ کر یقین
تجھ کو بڑے خلوص سے سمجھا رہا ہوں مَیں

؟

تو اور چشمِ لطف نئی واردات ہے
میری نگاہ نے مجھے دھوکا دیا نہ ہو

(ح)

حرص

؎

منہ سے بس کرتے نہ ہرگز یہ خدا کے بندے
گر حریصوں کو خدا ساری خدائی دیتا

اکبرؔ

یہ منزلِ حرصِ مال و دولت۔ نہ دیگی دنیا میں تم کو راحت
ہوس بڑھائیگی تشنگی کو۔ نظر کریگی سراب پیدا

مجذوبؔ

جو مال ہی پہ ہے نظر۔ تو خوں ہے اور ترا جگر
مرض ہے جس کو حرص کا۔ کبھی اسے شفا نہیں

اکبرؔ

اہلِ غرور و حرص کو کیا علم سے شرف
تا چرخ بھی پہونچ کے وہ شیطان ہی رہے

حسرت

اکبرؔ

ڈھونڈتے ہیں لوگ اس دنیا میں اطمینانِ دل
کچھ بھی لیکن داغِ حسرت کے سوا ملتا نہیں،

جوشؔ

کوئی ادھر ہے پریشاں قبائے زر کے لئے
کسی کے دل میں اِدھر حسرتِ کفن بیتاب

اکبرؔ

جس طرح ہو سکے دن زیست کے پورے کر لو
چار دن کے لئے انساں کو حسرت کیسی

سیمابؔ

نیند ہو یا موت دونو فطرتاً ہیں ناگزیر
حسرت اس پر ہے جو اپنے فرض سے غافل رہا

حُسن

جگرؔ

حُسن خود عشق ہے۔ خود جلوہ ہے۔ خود ذات و صفات
اِک یہی لفظ حقیقت ہے۔ کل افسانوں کی

اکبرؔ

یہ حسن ہی سے ہے عشق پیدا۔ یہ عشق ہی سے مصیبتیں ہیں
جو یہ نہ ہوتا۔ تو دل نہ ہوتا۔ جو دل نہ ہوتا۔ تو غم نہ ہوتا

شمیمؔ

حسن کوشش بھی کرے۔ تو نہیں بن سکتا عشق
سوزِ پروانے میں ہے۔ شمعِ فروزاں میں نہیں

اقبالؔ

خاص انساں سے کچھ حسن کا احساس نہیں
صورتِ دل ہے یہ۔ ہر چیز کے باطن میں مکیں

اکبرؔ

قرآن ہے شاہد کہ خدا حسن سے خوش ہے
کس حسن سے؟ یہ بھی تو سُنو۔ حسنِ عمل سے

اکبرؔ

دل ہو وفا پسند۔ نظر ہو حیا پسند
جس حُسن میں یہ وصف ہو۔ وہ ہے خدا پسند

اکبرؔ

حُسن جس چیز میں ہو۔ دیکھ کے خوش کر دل کو
بند کر لے مگر آنکھیں۔ اگر انسان میں ہو،

جگرؔ

خدا نے دی ہے یہ نعمت۔ تو رکھ اسے بے عیب
غرورِ حسن کو تا حدِ ناز رہنے دے

جگرؔ

یہ حسن روح کو ایسا گداز کرتا ہے
خدا سے بندے کو سرگرمِ ناز کرتا ہے

اقبالؔ

نہ ہو جلال۔ تو حسن و جمال بے تاثیر
نرا نفس ہے۔ اگر نغمہ ہو نہ آتشناک

اقبالؔ

حُسن ہو کیا خود نما جب کوئی مائل ہی نہ ہو
شمع کو جلنے سے کیا مطلب۔ جو محفل ہی نہ ہو

اصغرؔ

کارفرما ہے فقط حسن کا نیرنگِ کمال
چاہے وہ شمع بنے۔ چاہے وہ پروانہ بنے

اکبرؔ

حسن ہے بے وفا و فانی بھی
کاش سمجھے اسے جوانی بھی

؟

اچھی صورت بھی کیا بُری شے ہے
جس نے ڈالی بُری نظر۔ ڈالی

حقیقت

اقبالؔ

حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے۔ اگر ذرّہ کا دل چیریں،

انورؔ کرمانی

چمن ہو۔ دشت ہو۔ فصلِ بہار ہو کہ خزاں
حقیقت ایک ہر اک شے میں ہے غبار افگن

جگرؔ

ہر ذرہ ہے اک پیکرِ صد حسنِ حقیقت
ہستی کو جگرؔ ہستیِ باطل نہ سمجھنا

مجذوبؔ

اس کو ہر ذرہ ہے اک دنیائے راز
منکشف جس پر حقیقت ہو گئی

جگرؔ

تیرے اسرارِ حقیقت کا وہی محرم ہوا

رہ کے عالم میں بھی جو بیگانۂ عالم ہوا

منعمؔ

رکھ حقیقت پر نظر اور شیوۂ باطل بھی دیکھ

حال کے آئینہ میں تو رنگِ مستقبل بھی دیکھ

اکبرؔ

غضب ہیں ظاہری صورت کے جلوے بزمِ ہستی میں

حقیقت پر نظر رہتی نہیں غفلت کی مستی میں

حفیظ جالندہری

کچھ ہوش ہے تو چشمِ حقیقت نگر سے دیکھ

محمود ذرّے ذرّے میں حسنِ ایاز ہے

جگرؔ

وہ حقیقت کہ جو محدود حقیقت میں نہیں،

دل کی وسعت میں ہے کونین کی وسعت میں نہیں۔

دلؔ

کیا حقیقت ہے ہماری یہ رہی برسوں تلاش
گم ہوا اس آرزو میں کاروانِ زندگی

اسدؔ ملتانی

کرتے ہیں وہ مجاز و حقیقت میں امتیاز
جو جانتے نہیں ہیں حقیقت مجاز کی

جگرؔ

تصدیقِ حقیقت بھی محتاجِ حقیقت ہے
باطل ہے نظر جب تک باطل نظر آتا ہے

مجذوبؔ

کھلی جب سے دنیا کی ہم پر حقیقت
نہ خوشیاں رہی ہیں - نہ بیزاریاں ہیں

جگرؔ

واقفِ سرِّ حقیقت اگر انساں ہو جائے
غم سے نزدیک ہو۔ راحت سے گریزاں ہو جائے

اقبال

تو اگر اپنی حقیقت سے خبردار رہے
نہ سیہ روز رہے۔ پھر۔ نہ سیہ کار رہے

جگر

ہر نفس اس کو محبت میں ہے پیغامِ حیات
آدمی اپنی حقیقت سے اگر دور نہ ہو

جگر

نورِ مطلق کی غبار اس عرش کے تارے میں دیکھ
اپنی خوابیدہ حقیقت دل کے گہوارے میں دیکھ

حق و باطل

اسد ملتانی

وہی دیکھیں گے نورِ صدق آنکھیں جن کی روشن ہیں
وہی سمجھیں گے رازِ حق۔ جو دل رکھتے ہیں سینوں میں

اکبر

بہت آسان ہے تشریح منطق کے نتیجوں کی
بہت مشکل ہے لیکن فرق کرنا حق و باطل میں

عزیز

کوششِ احقاقِ حق۔ ابطالِ باطل چاہیئے
تا کہ آئینِ صداقت میں ہو پیدا انضباط

اکبر

نہ رکھے گا۔ خدا بیگانہ تجھ کو نورِ باطن سے
مگر لازم ہے پیدا کر دلِ حق آشنا پہلے

عزیزؔ

امرِ حق میں لومِ لائم کی نہ کچھ پروا رہے
کارِ باطل میں نہ ہو تحسین سے کچھ انبساط

ظفر علی خاں

یا تو خود مٹ جائیں یا باطل کی شہ رگ کاٹ دیں
ایک ہی رستہ کھلا ہے حق پسندوں کیلئے

کشفی

نہیں حق پہ عمل پیرا کوئی۔ اب دورِ باطل ہے
طبیعت اہلِ دنیا کی بُرائی ہی پہ مائل ہے

اظہر زاہدی

حق پہ باطل کو نہیں کوئی بھی غلبہ کی سبیل
سنت اللہ کبھی ہو نہیں سکتی تبدیل

اکبر

جوششِ خاطر کو سبیلِ حق نما ملتی نہیں،
جان حاضر ہے مگر راہِ خدا ملتی نہیں

حیات

حیرتؔ شملوی

ہے اگر سوز و درد سے خالی
موت کہئے اُسے حیات نہیں

اقبالؔ

حیات کیا ہے؟ خیال و نظر کی مجذوبی
خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے گوناں گوں

سہیلؔ

زباں پہ یہ پیام ہے۔ ہر ایک موجِ آب کی
حیات جس کا نام ہے۔ وہ خو ہے اضطراب کی

اسرارؔ بصری

حیات سایۂ شمشیر میں نکھرتی ہے
یہ حادثات کی تفسیر میں نکھرتی ہے

جوہر

دورِ حیات آئیگا۔ قاتل قضا کے بعد
ہے ابتدا ہماری تری انتہا کے بعد

اسد ملتانی

اسد یہ کام ہے صد گونہ سینہ کاوی کا
حیات صرف شمارِ نفس کی بات نہیں

حیاتِ جاوداں

اقبالؔ

مر کے جی اُٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام
گرچہ ہر ذی روح کی منزل ہے آغوشِ لحد

اختر ناروالی

جسے مر کے جینا نہ آیا جہاں میں
اسے حق ہی جینے کا ہے کیا جہاں میں

سیمابؔ

قوم کی خدمت میں مرنا ہے حیاتِ جاوداں
ورنہ عمرِ خضر بھی پائی۔ تو کیا حاصل ہوا

اکبرؔ

ہنس کے دنیا میں مرا کوئی۔ کوئی رو کر مرا
زندگی پائی مگر اس نے جو کچھ ہو کر مرا

(خ)

خودی

اقبالؔ

خودی کے ساز میں ہے عمرِ جاوداں کا سراغ
خودی کے سوز سے روشن ہیں اُمتوں کے چراغ

اکبرؔ

ہے شوق جس کو اپنی خودی کی نمود کا
سچ پوچھئے تو اس کو خدا پر یقین نہیں

اسدؔ ملتانی

خدا کے واسطے اپنی خودی نمایاں کر
کہ خود خدا تجھے اپنا گواہ کرتا ہے

اقبالؔ

تری زندگی اسی سے۔ تری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی۔ نہ رہی تو رُوسیاہی

اقبالؔ

خودی میں گم ہے خدائی۔ تلاش کر غافل
یہی ہے تیرے لئے اب صلاحِ کار کی راہ

اقبالؔ

یہ ذکرِ نیم شبی۔ یہ مراقبے۔ یہ سرور
تیری خودی کے نگہبان نہیں تو کچھ بھی نہیں

اقبالؔ

تقلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو
کر اس کی حفاظت کہ یہ گوہر ہے یگانہ

آہؔ [1]

خودی جب تک رہی اس کو نہ پایا
جب اس کو ڈھونڈ پایا خود عدم تھے

[1] یہ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا تخلص ہے۔

خوشامد

اقبالؔ

سو کام خوشامد سے نکلتے ہیں جہاں میں
دیکھو جسے دنیا میں خوشامد کا ہے بندا

شمیمؔ کاکوروی

جو لوگ خوشامد کرتے ہیں عزت سے وہ دیکھے جاتے ہیں
حق بات یہاں جو کہتے ہیں وہ دار پہ کھینچے جاتے ہیں

سعیدؔ

خوشامد کی تم سے جو کرتا ہے باتیں
نہ اس کو مصیبت میں ہمدم سمجھنا

اکبرؔ

تم خدا کو خوش کرو، سب کی خوشامد چھوڑ کر
بلکہ حاکم جو ہو گا۔ خود ہی خوش ہو جائے گا

خوف

جوہر

کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے

مجذوب

تیغِ عدو سے ہوں نڈر۔ ہاتھ میں گو نہیں سپر
کوئی نہیں مجھے خطر۔ میری اگر قضا نہیں

ظفر علی خاں

خوفِ غیر اللہ سے خالی ہو جب انساں کا دل
ہرگز اس کو کوئی طاقت دے نہیں سکتی شکست

حفیظ ہوشیارپوری

زور ہے بازوؤں میں گر شورشِ بحر سے نڈر
کشتی خدا پہ چھوڑ دے۔ طالبِ ناخدا نہ بن

اظہر

اسی کی تاک میں رہتے ہیں طوفانی حوادث بھی

جو ساحل پر کھڑا۔ موجوں کے ہنگاموں سے ڈرتا ہو

اکبر

رنگِ زمانہ۔ لڑائی کی کثرت سے ڈر نہ جا

سارا جہاں ہو شرک تو سارے جہاں کو چھوڑ

جگر

رہِ طلب میں نہ کر خوفِ لغزشِ پا سے

یہاں جو گر کے اٹھا۔ بس وہ کامیاب اُٹھا

اکبر

اے خوفِ مرگ دل میں جو انساں کے تو رہے

پھر کچھ ہوس رہے۔ نہ کوئی آرزو رہے

اکبر

اس عہد میں اے اکبر میں اس کو ولی سمجھا

تھوڑا سا بھی کچھ جس میں اللہ کا ڈر دیکھا

خیال

انور گرداسپوری

خیالِ غیر سے جب دیدہ و دل پاک ہوتے ہیں
تو فرشِ راہ گویا آپ ہفت افلاک ہوتے ہیں

ثمر

جلا رہا ہوں ابھی تک خیال کی قندیل
نفس نفس ہیں مگر دل کے داغ جلتے ہیں

ثمر

نہیں جو کہتے وہی بات کہہ رہا ہوں میں
کہ ہر خیال میں کچھ ممکنات ہوتے ہیں

طالوت

روحِ زیدؓ و بلالؓ پیدا کر
ذوقِ حسنِ خیال پیدا کر

دو

دار

جوہرؔ

دار ہی بنتی ہے اے دل زینۂ معراجِ عشق
خوابِ آغازِ محبت کی یہی تعبیر ہے

عاؔلم

زندگی مائل نہیں ہوتی کبھی افکار پر
زندگی تو جان دیتی ہے ازل سے دار پر

جوہرؔ

ملتی نہیں کسی کو سندِ امتحاں بغیر
دار و رسن کے حکم کو سمجھو صلائے دوست

حفیظ جالندھری

سچ پوچھئے تو نیستی ہستی کا راز ہے
جو سر چڑھا ہے دار پہ - وہ سرفراز ہے

اثرؔ صہبائی

پاتے ہیں وہی رتبۂ منصور و مسیحا
جو حق کیلئے کھیلتے ہیں دار و رسن سے

خاموشؔ لدھیانوی

ہے منبرِ حیات پہ اس کی جگہ بلند
جو ریسمانِ دار کو زیبِ گلو کرے

سہیلؔ

نہ اب منصور باقی ہے نہ وہ دار و رسن لیکن
فضا میں گونجتا ہے نعرۂ مستانہ برسوں سے

؟

نہیں منصور لیکن دار تو موجود ہے اب بھی
جو مر دینے سے ڈرتے ہیں۔ وہ کب سردار ہوتے ہیں

؟

دار و رسن تو آج بھی موجود ہے مگر
وہ مدعی۔ وہ شوق۔ وہ سر۔ وہ گلو نہیں۔

حفیظ جالندھری

دار کے قدموں تلک پہنچی نہ عقل
عشق ہی کے سر رہیں سرداریاں

انگر

جو لوگ زمانہ میں جہاں دیدہ ہیں
اللہ کے برگزیدہ و چیدہ ہیں
سورج کی طرح ان پہ ہے روشن انگر
سرداریاں خدمات میں پوشیدہ ہیں

درد

اقبالؔ

سکوت آموز طولِ داستانِ درد ہے ورنہ
زباں بھی ہے ہمارے منہ میں اور تابِ سخن بھی ہے

جگرؔ

اک کیفِ ناتمامِ درد کی لذت ہی کیا
درد کی لذت سراپا درد بن جانے میں ہے

خاموش لدھیانوی

جس کے ربابِ زیست میں درد کی لذتیں نہوں
اس کو بھلا ہو کیا خبر کیا ہے مقامِ زندگی

وحشتؔ

یہ ثابت کر دیا ہے لذتِ دردِ محبت نے
جہاں تکلیف ہوتی ہے وہاں آرام ہوتا ہے

دشمن

مجذوبؔ

ہم اپنے آپ کے ہوتے ہیں آپ ہی دشمن
وہ مہرباں کبھی نامہرباں نہیں ہوتا

اسدؔ ملتانی

خود فریبی سے کوئی بڑھ کے خطرناک نہیں
ہم نے مانا کہ رہِ دوست میں دشمن ہیں بہت

اسدؔ ملتانی

کمی ہم نے نہیں کی۔ دشمنوں کی پرورش میں بھی
عموماً سانپ بھی پالے ہیں ہم نے آستینوں میں

دعا

اکبرؔ

بے ساختہ آتی ہے مصیبت میں یہ لب پر
فطرت ہی کی جانب سے دعا بھی ہے کوئی چیز

آسؔد ملتانی

اُٹھتے ہیں خود بخود مرے دستِ دعا اسؔد
ہر چند سوچتا ہوں کہ ہوگا دُعا سے کیا

اقباؔل

تری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی
مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے

وحشتؔ

نہ کام آئی کبھی اپنی کوشش و تدبیر
کوئی مراد ملی۔ تو ملی دعا سے مجھے،

آسی ملتانی

شکایت ہے مجھے اس کے اثر ظاہر نہ ہونے کی
کبھی مردِ خدا مانگی بھی ہے دل سے دعا تو نے

ظفر علی خاں

اسلاف کے اخلاق کا بن جا وہ نمونہ
گالی تمہیں دے کوئی تو تم اس کو دعا دو

مانی جائسی

اندازہ ترا کیا ہو وہ کیا جانے کیا دے
رکھ ظرفِ تمنا یونہی اس در پہ صدا دے

دعوتِ فکر

اقبال

ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ہونیوالا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہدِ کہن کی داستانوں میں

اصغر

اس جہانِ غیر میں آرام کیا۔ راحت کہاں
لطف جب ہے اپنی دنیا آپ پیدا کیجئے

اقبال

وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا
یہ سنگ و خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے

شفیق

خالدؓ وحیدرؓ و فاروقؓ سے لے درسِ حیات
قیس و فرہاد کی وارفتہ اداؤں سے نہ کھیل

اقبالؔ

اس چمن میں پیروِ بلبل ہو۔ یا تلمیذِ گل
یا سراپا نالہ بن جا۔ یا نوا پیدا نہ کر

؟

غنچے اس کے ہیں۔ گل اس کے ہیں بہاریں اس کی
خون سے اپنے بنائے جو گلستاں کوئی

اقبالؔ

تو اگر خوددار ہے منتِ کشِ ساقی نہ ہو
عین دریا میں حباب آسا نگوں پیمانہ کر

اقبالؔ

آنکھ کو بیدار کر دے۔ وعدۂ دیدار سے
زندہ کر دے دل کو سوزِ جوہرِ گفتار سے

اقبالؔ

شعلہ بن کر پھونک دے۔ خاشاکِ غیر اللہ کو
خوفِ باطل کیا؟ کہ ہے غارت گرِ باطل بھی تو

اقبالؔ

یہ خاموشی کہاں تک ۔ لذتِ فریاد پیدا کر
زمیں پر تو ہو ۔ اور تیری صدا ہو آسمانوں میں

وحشتؔ

تو کسی کا ہو کے دیکھ ۔ اے شکوہ سنجِ روزگار
کیوں یہ کہتا ہے کہ دنیا میں مرا کوئی نہیں

اقبالؔ

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن ۔ اپنا تو بن

وحشتؔ

لازم ہے کار واں کو ہے آپ مستعد
شرمندۂ صدا جرس کار واں نہ ہو

دل و نظر

اکبرؔ

دل وہ ہے جو فریبِ نظر کو سمجھ سکے
آنکھیں وہ ہیں جو ژرف نگاہی کے ساتھ ہیں

اکبرؔ

دل وہ ہے جس کو ہو سودائے جمالِ معنی
آنکھ وہ ہے کہ جو صورت کی خریدار نہ ہو

اکبرؔ

جو ہیں اہلِ بصیرت اکثر آنکھیں بند رکھتے ہیں
نظر اچھے دلوں کو بھی کبھی بدنام کرتی ہے

مجذوبؔ

وہ آنکھ جو نہ غیر کو دیکھے نہیں رہی
وہ دل جو ہو نہ غیر پہ مائل نہیں رہا

آتش

دلِ دانا بھی دیا دیدۂ بینا بھی دیا
مرے اللہ نے مجھ پہ کئے احساں کیا کیا

دل

شرف

دلِ انساں بظاہر اک ذراسی چیز ہے لیکن
یہی وہ جا ہے۔ جو اس کی تجلی گاہ ہوتی ہے

اقبال

سمجھا لہو کی بوند اگر تو اُسے تو خیر
دلِ آدمی کا ہے فقط اک جذبۂ بلند

اقبال

آہ دنیا دل سمجھتی ہے جسے۔ وہ دل نہیں
پہلوئے انساں میں اک ہنگامۂ خاموش ہے

کمترؔ

دل ہی پژمردہ ہوا کمترؔ۔ تو کیسی زندگی
زندگی کا لطف ہے آسودگیِ دل کے ساتھ

خاموش لدھیانوی

زندہ ہے دل تو زندہ ہیں رونقیں کائنات کی
دل ہی مقامِ مرگ ہے۔ دل ہی مقامِ زندگی

جگرؔ

کیوں دور ہٹ کے جائیں ہم دل کی سرزمیں سے
دونو جہاں کی سیریں حاصل ہیں سب یہیں سے

بیدمؔ وارثی

وہ کوہِ طور ہو یا سرزمینِ دل بیدمؔ
جمالِ یار سے خالی کوئی دیار نہیں

؟

دل میسر ہو۔ تو کیا سیرِ دو عالم کی ہوس
اسی نقشہ میں ہے کل ارض و سما کا نقشہ

جگرؔ

دل کے ہوتے ہوئے جاتے ہو کہاں اے موسےٰ
اسی میں کچھ جلوے ہیں ایسے کہ سرِ طور نہیں

ہلال

دردہے۔ غم ہے۔ خلش ہے۔ آرزو ہے یاد ہے
دل کے ہر گوشہ میں اک دنیا نئی آباد ہے

اکبر

ہوائے نفس کا طوفان ہے بحرِ زندگانی میں
خدا محفوظ رکھے۔ کشتیِ دل کو جوانی میں

؟

دل کی آزادی کہیں بھی قید ہو سکتی نہیں
صیدِ افگنِ آرزو۔ خود صید ہو سکتی نہیں

اکبر

دل کو جو پہنچائے ایذا۔ وہ نہیں ہے اہلِ دل
ظلم کا باعث جو ہو۔ دردآشنا کیونکر ہوا

اکبر

باطن بہت ہیں ایسے جو مشتعل نہیں ہیں
سینے میں سب کے دل ہے سب اہلِ دل نہیں ہیں

شرف

قدر انداز کا بھی تیر ہوتا ہے خطا۔ لیکن
بڑی ہی بیخطا مظلوم دل کی آہ ہوتی ہے

اسد ملتانی

اے بے خبر اسے کسی قیمت پہ بھی نہ بیچ
دل ایک ہی تو چیز ہے اس کا بدل کہاں

روش صدیقی

آنکھ تیری سوئے کعبہ۔ دل ترا بیت الصنم
مجھ کو تیرے دل کا اندیشہ۔ تجھے فکرِ حرم

دُنیا

اقبالؔ

یہ دنیا دعوتِ دیدار ہے فرزندِ آدم کو
کہ ہر مستور کو بخشا گیا ہے ذوقِ عریانی

اکبرؔ

ہر طرف بننے بگڑنے کا یہاں اک دور ہے
چشمِ عبرت کے لیے دنیا محلِ غور ہے

ظفر علی خاں

دنیا جسے کہتے ہیں وہ ہے بازیٔ شطرنج
ہر چال میں کھنچتا ہے یہاں مات کا نقشہ

اکبرؔ

چال دنیا کی تمہیں محسوس ہو دشوار ہے
یہ زمیں چلتی ہے تیزی سے مگر ہلتی نہیں

انگر

سمجھو پہلے ہی سے دنیا کو مسافر خانہ
جیو اس طرح کہ مرنا تمہیں دشوار نہ ہو

اکبر

دنیا کو اقامت کہا سمجھے ہو محل شاید
ایسے تو نہیں ہوتے سامان مسافر کے

اقبال

نہیں اس کھلی فضا میں کوئی گوشۂ فراغت
یہ جہاں عجب جہاں ہے نہ قفس نہ آشیانہ

اکبر

کون پا سکتا ہے مکروہاتِ دنیا سے نجات
زندگی جب تک ہے جھگڑے زندگی کے ساتھ ہیں

عبرت

اسی نے ٹھوکریں در در کی کھائیں
جو دنیا میں سگِ دنیا رہا ہے

دوست

نجم

دوست وہ ہے جس کو ہر دم دوستی کا پاس ہو
شادماں ہو دوست اس کا یا اسیرِ یاس ہو

اکبر

جان فرقت میں نہ نکلے۔ تو مجھے کیوں ہو عزیز
دوست وہ کیا جو مصیبت میں مددگار نہ ہو

جوہر

ہم معنیٔ ہوس نہیں اے دل ہوائے دوست
راضی ہو بس اسی میں۔ ہو جس میں رضائے دوست

ظفر علی خاں

جو دوست ہیں منہ پر وہ پس پشت ہیں دشمن
بس اب یہ ہے لوگوں کی ملاقات کا نقشہ

دین

ظفر علی خاں

بخشی گئی دُنیا بھی مجھے دین بھی مجھکو
جس وقت کہ اسلام کی دولت ہوئی تقسیم

حسرت موہانی

ضوابط دین کامل کے دئے ہیں تیرے ہاتھو نہیں
تجھی سے خلق کی تکمیل کا بھی کام لینا ہے

اکبر

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اقبال

دین ہو۔ تو مقاصد میں بھی پیدا ہو بلندی
فطرت ہے جوانوں کی زمیں گیر و زمیں تاز

اصغرؔ

جو ہو للٰہیت تو دین بن جاتی ہے یہ دنیا
اگر اغراض ہوں۔ تو دین بھی بدتر ز دنیا ہے

اقبالؔ

دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملّت بھی گئی

اکبرؔ

پایا اگر فروغ تو صرف ان نفوس نے
جن کی کہ خضرِ راہ فقط شمعِ دیں رہی

ظفر علی خاں

دین کو آپ نے دنیا سے الگ کیوں سمجھا
اصل میں ایک ہیں دینداری و دنیاداری

اسد ملتانی

نبی کا عشق خدا کی اطاعتِ کامل
یہ دین کی اصل ہے۔ باقی تمام افسانے

شبلی نعمانی

وضع میں۔ طرز میں۔ اخلاق میں۔ سیرت میں کہیں
نظر آتے نہیں کچھ حرمتِ دیں کے آثار

اکبر

دین پر جب ہم نے دنیا کو مقدم کر دیا
دنیوی درجے کو بھی اللہ نے کم کر دیا

نشتر جالندھری

دنیا کی محبت میں ہم دین کو کھو بیٹھے
اب اپنی نگاہوں میں جو کچھ ہے وہ دولت ہے

رفیق

چھوڑ بیٹھو گے اگر دنیا کے پیچھے دین کو
یاد رکھو دولتِ دنیا کا بھی ہوگا زوال

اکبر

کارِ دنیا شوق سے کرتے رہو اے دوستو
لیکن اس کے ساتھ بگڑا کارِ دیں تو کچھ نہیں!

(ذ)

ذکر

مجذوبؔ

نکالو یاد حسینوں کی دل سے اے مجذوبؔ
خدا کا گھر پئے ذکرِ بتاں نہیں ہوتا

اکبرؔ

ہرگز اس انجمن کو نہ سمجھو محمدی قوم
خالی ملے جو ذکرِ خدا و رسولؐ سے

جگرؔ

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ۔ مجھے کام اپنے ہی کام سے
ترے ذکر سے۔ تری فکر سے تری یاد سے ترے نام سے

اکبرؔ

جس نے چھوڑا شوقِ جاہ و مال ہیں ذکرِ خدا
وہ حقیقت میں اُٹھا شیطان کی تعظیم کو

(ر)

راحت

جوشؔ

ہر شے کو مسلسل جنبش ہے راحت کا جہاں میں نام نہیں
اس عالمِ سعی و کاوش میں انساں کے لئے آرام نہیں

عزیزؔ

اس میں فرصت ہی کہاں ہے راحت و آرام کی
بس کہ دنیا کو مقامِ امتحاں سمجھا ہوں میں

امجدؔ

آفت ہے آئے دن طلبِ ملک و مال میں
راحت ہے دو جہان کی۔ ترکِ سوال میں

وحشتؔ

سر شہرت نہیں۔ راحت ہے گمنامی کے جینے میں
ذریعہ عافیت کا مجھ کو میری بے کمالی ہے

اکبرؔ

اُن کو تھا نازکہ حاصل ہے انہیں راحت و عیش
ہم نے جانچا تو نہ تھا کچھ بھی وہ غفلت کے سوا

اکبرؔ

سچ پوچھئے تو راحت ہی ملی دنیا سے جدا ہوجانے میں
تھوڑی سی اداسی ہے بھی تو ہو آفت تو مگر برپا نہ رہی

عاصیؔ کرنالی

تلاش میں ہے زمانہ سکون و راحت کی
تھکی تھکی سی نگاہیں ۔ اداس اداس ۔ سے لب

۹

آہ اس دنیا میں راحت کا نشاں ملتا نہیں
اے مسرت ! ہم کو تیرا آستاں ملتا نہیں

راز

اصغرؔ

راز کی جستجو میں مرتا ہوں
اور میں خود ہوں اک پردۂ راز

جگرؔ

کچھ نہیں کھلتا جگرؔ رازِ طلسمِ کائنات
مجھ میں یہ آباد ہے یا اُس میں مَیں آباد ہوں

خاموشؔ لدھیانوی

نہ فلسفی سے ہمیں کچھ ملا۔ نہ واعظ سے
ترے جہاں کا کوئی بھید ہم تو پا نہ سکے

ظفر علی خاں

جن کے دل رہتے تھے خالی خوفِ غیر اللہ سے
اُن شتربانوں نے سمجھا تھا جہانبانی کا راز

عدمؔ

مانگ پروانے سے ذوقِ احترامِ زندگی
سیکھ اہلِ عشق سے رازِ دوامِ زندگی

خاموشؔ لدھیانوی

آرزوؤں کے مٹا کر بُت تمام
زندگی کا راز آخر پا گئے

جگرؔ

پاسِ ادب سے چھپ نہ سکا رازِ حسن و عشق
جس جا تمہارا نام سنا سر جھکا دیا

جگرؔ

ایک ایسا راز بھی دل کے نہاں خانے میں ہے
لطف جس کا کچھ سمجھنے میں نہ سمجھانے میں ہے

دردؔ

اے دردؔ کہوں کس سے۔ بتا رازِ محبت
عالم میں سخن چینی ہے یا طعنہ زنی ہے

راہنما

اکبرؔ

نفس سے بچنے کی انساں چارہ جوئی کیا کرے
فطرتی رہبر یہی ہے اس کو کوئی کیا کرے

جوشؔ

دل مرا روزِ ازل سے ہے قیادت آشنا
دل سا قائد چھوڑ دوں تو پھر کسے رہبر کروں

اکبرؔ

طریق عشق میں دل خضر بن کے پچھتایا
سمجھ گیا کہ مصیبت ہے رہنما کے لیے

جوہرؔ

اس کو کیا خوفِ رہِ ظلمات ہے
جس کی رہبر خود خدا کی ذات ہے۔

حسرت موہانی

حق سے بہ عذرِ مصلحتِ وقت جو کرے گریز
اس کو نہ پیشوا سمجھ۔ اس پہ نہ کر کچھ اعتماد

ظفر علی خاں

جسے اسلام کی حرمت پہ کٹ مرنا نہ آتا ہو
مسلمانوں کے بیڑے کا کھیویا ہو نہیں سکتا

اکبر

طالب دنیا کو اکبر کس طرح سمجھوں میں خضر
خود ہیں گم بے فکر میں۔ وہ رہنما کیونکر ہوا

یلدرم

مقتدا مذہب و ملت کے بنے ہیں وہ لوگ
واسطہ جن کو نہیں ملت و دیں سے کوئی

عدم

مزا تو جب تھا کہ ساحل پہ جھومنے والے
بھنور میں گھر کے بھی تھوڑی سی ہاؤ ہو کرتے

اقبال

کوئی کارواں سے ٹوٹا۔ کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیرِ کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی

اکبر

اِدھر ہے قوم ضعیف و مسکیں اُدھر ہیں کچھ مرشدانِ خود بیں
یہ اپنی قسمت کو رو رہے ہیں۔ وہ نام پر اپنے مر رہے ہیں

وفا

مچاتے شور بے حد ہیں۔ مگر کرتے نہیں کچھ بھی
ہر اک اس فکر میں ہے قوم کا سردار ہو جائے

خلیق

چرخ دوں پرور نے بخشی رہزنوں کو رہبری
بت شکن تھے جن کے آبا۔ کر رہے ہیں بت گری

جبریل صدیقی

فقط دو قدم پر تھی منزل مری
مگر سامنے رہنما آگیا

آسد ملتانی

جوان کی راہ کو چھوڑا۔ تو مل گئی منزل
ہوں اس لحاظ سے ممنون رہنماؤں کا

۹

رہنما جس قوم کے مخلص نہ ہوں
قابلِ حیرت نہیں اس کا زوال

رحمت

جوہر

تیری رحمت پہ ہو جس کا آسرا
اُس کو کیا حزن و غمِ مافات ہے

اکبر

ہے میرے دل کو خدا ہی کی رحمتوں کی طلب
کہ وہ وسیع بھی ہیں اور بے حساب بھی ہیں

امجد

دولت مندوں کو ہو مبارک دولت
امجد کے لئے خدا کی رحمت بس ہے

جگر

میں خطاکار، سیہ کار، گنہگار، مگر
کس کو بخشے تری رحمت جو گنہگار نہ ہو

اسد ملتانی

رحمت نے تو عصیاں کو کوثر میں دئے غوطے
پر مجھ کو ندامت بھی تعزیر نظر آئی

ظفر علی خاں

اس کشمکش میں دیکھئے ہو کامیاب کون
میرے گناہ اِدھر ہیں تو رحمت اُدھر بڑی

رزق

اقبالؔ

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو۔ پرواز میں کوتاہی

اکبرؔ

ذوقِ آرام بجا۔ شوقِ تعلّی بے جا
طلبِ رزق ہو۔ لیکن ہوسِ جاہ نہ ہو

جوہرؔ

رزق تیرا خود تجھے مل جائے گا۔ تو غم نہ کر
وہ تو رزقِ برق ہی تھا۔ جو ترے خرمن میں تھا

ضیاؔ

غریبوں کے لئے مسدود ہیں راہیں معیشت کی
امیروں کا نہیں ہے رزقِ طیّب پر مدار اب بھی

رشک

اکبرؔ

کاہلی کرنے کی فرصت مل ہی جاتی ہے مجھے
رشک آتا ہے عدیم الفرصتی پہ وقت کی

اکبرؔ

عجب ہر طاقت و دولت پہ مجھ کو رشک و حسرت ہے
نہ ہر طاقت میں نیکی ہے۔ نہ ہر دولت میں احسن ہے

رضا

اقبالؔ

تسلیم کی خوگر ہے جو چیز ہے دنیا میں،
انسان کی ہر قوت سرگرمِ تقاضا ہے

جوہرؔ

ہر رنگ میں راضی بہ رضا ہو تو مزا دیکھ
دنیا ہی میں بیٹھے ہوئے جنت کی فضا دیکھ

اقبالؔ

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟

اکبرؔ

رضائی مشرب یہی ہے کہ کچھ طلب نہ کرو
دعا سے ہاتھ اٹھاتا ہوں میں خدا کے لیے

اقبال

شوخی سی ہے سوالِ مکرر میں اے کلیم
شرطِ رضا یہ ہے کہ تقاضا بھی چھوڑ دے

مجذوب

جو ان کی خوشی ہے وہی اپنی بھی خوشی ہے
جا۔ دل تجھے چھوڑا کہ جدھر وہ ہیں اُدھر ہم

جوہر

راضی ہیں جو رضائے الٰہی میں ان کو کیا
جو چاہے ان کو گردشِ لیل و نہار دے

ثاقب کانپوری

وہ ہیں اگر اسی میں خوش صدمۂ غم اٹھائے جا
اُن کی خوشی۔ خوشی سمجھ۔ اپنی خوشی خوشی نہیں

اکبر

رضائے حق پہ راضی رہ۔ یہ حرفِ آرزو کیسا
خدا خالق۔ خدا مالک۔ خدا کا حکم تو کیا

رُوح

اکبرؔ

عقلِ انساں کیوں نہ عاجز ہو ترے ادراک میں
روح ہی کو یہ نہ سمجھی اور تو ہے جانِ روح

پرواز

جسم مر سکتا ہے۔ لیکن روح مر سکتی نہیں
موت اس خاکے میں کوئی رنگ بھر سکتی نہیں

جوہرؔ

سامانِ زیب و زینتِ تن ہو چکا بہت
کچھ روح کی سنوارئیے۔ وہ بھی سنور گئی

اقبالؔ

رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیرِ پاک، خیالِ بلند، و ذوقِ لطیف

ریا

اکبرؔ

عمل خدا کے لئے ہو۔ تو اس کا کیا کہنا
مگر ریا۔ یہ بُری۔ صرف واہ وا کیلئے

ظفر علی خاں

وہ علم علم ہی کیا جو عمل سے ہو خالی
عمل عمل ہی نہیں۔ اس میں گر دکھاوا ہو

جگرؔ

انسان کو لازم ہے رہے دُور ریا سے
یہ چیز جدا کرتی ہے بندے کو خدا سے

مجذوبؔ

وہ ریا جس پر تھے زاہد طعنہ زن
پہلے عادت پھر عبادت ہو گئی

(ز)

زمانہ

اقبالؔ

زمانہ صبحِ ازل سے رہا ہے محوِ سفر،
مگر یہ اس کی تگ و دو سے ہو سکا نہ کہن

وحشتؔ

طریقہ ہے زمانے کا یہی، کیا کیجئے اس کو
کوئی برباد کرتا ہے۔ کوئی برباد ہوتا ہے

اقبالؔ

زمانہ کے انداز بدلے گئے
نیا راگ ہے ساز بدلے گئے

اقبالؔ

غارت گرِ دیں ہے یہ زمانہ
ہے اس کی نہاد کافرانہ

سراج

کس قدر جلدی بدلتا ہے زمانے کا لباس

ہے اندھیرا آج۔ کل روشن چراغِ شام تھا

؟

زمانہ لے رہا ہے کروٹیں آفت کے بستر پر

یہ حالت روکش روزِ قیامت ہوتی جاتی ہے

مجذوب

مقدم آج کل دارِ بقا پر دارِ فانی ہے

عجب اُلٹا زمانہ ہے۔ نظامِ دو جہاں بدلا

صفی

صفی اب زمانہ ہے نازک بہت

یہ ہیں اپنے سایہ سے ڈرنے کے دن

مجذوب

رنگ رلیوں پہ زمانے کے نہ جانا اے دل

یہ خزاں ہے۔ جو بانداز بہار آئی ہے

وحشتؔ

تجھے یادِ عیش رفتہ نہیں چاہیئے اب اے دل
وہ پلٹ کے آئیگا کیا؟ جو گذر گیا زمانہ

اسد ملتانی

کچھ اس ادا سے مرے دل میں اُن کی یاد آئی
کہ جیسے پھر مجھے گذرا ہوا زمانہ ملا

اقبالؔ

جو تھا نہیں ہے۔ جو ہے نہ ہوگا یہی ہے اک حرف محرمانہ
قریب تر ہے نمود جس کی۔ اُسی کا مشتاق ہے زمانہ

جوہرؔ

زمانے کے جو گرم و سرد سے ہو جائے بے پروا
تو اس کی یاں بھی جنت ہے کہ عیشِ جاوداں پایا

اکبرؔ

ہم نے یہ نکتہ سنا اک مردِ حق آگاہ سے
پھر گیا اس سے زمانہ۔ جو پھرا اللہ سے

اُفقؔ

زمانہ ہم سے کیا بدلا۔ کہ بدلے ہم زمانے سے
قرینہ آہ اک باقی نہیں۔ اپنے قرینوں میں،

محبوبؔ

ہوا کچھ منقلب ایسا زمانہ
کہ بیگانہ بنا ہے ہر یگانہ

؟

قسمت کے بگڑنے پر احباب بھی دشمن ہیں
بگڑے کا نہیں کوئی بننے پہ زمانہ ہے،

اقبالؔ

زمانہ اب بھی نہیں جس کے سوز سے فارغ
میں جانتا ہوں وہ آتش ترے وجود میں ہے

زندگی

ثمرؔ

کسی سے حل نہ ہُوا زندگی کا رازِ دروں
نگار خانۂ ہستی میں راز داں بھی بڑھے!

؟

مُستترِ رنج و بلا میں زندگی کا راز ہے
اِبتلا مضراب ہے اور زندگانی ساز ہے

اقبالؔ

زندگی انساں کی اک دم کے سوا کچھ بھی نہیں
دم ہوا کی موج ہے۔ رم کے سوا کچھ بھی نہیں

اقبالؔ

زندگی انسان کی ہے مانندِ مرغِ خوش نوا
شاخ پر بیٹھا۔ کوئی دم چہچہایا۔ اڑ گیا،

حفیظ جالندھری

پختہ تر ہے گردشِ پیہم سے جامِ زندگی
ہے یہی اے بے خبر۔ رازِ دوامِ زندگی

حفیظ جالندھری

آرزو۔ پھر آرزو کے بعد خونِ آرزو
ایک مصرع میں۔ ہے ساری داستانِ زندگی

عادم

زندگی اعمال کے آتش کدے کا نام ہے
زندگی جوشِ جنوں کے ولولے کا نام ہے

فانی

اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کاہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا

جگر

مختصر ہے شرحِ ہستی۔ اے جگر
زندگی ہے خواب۔ اجل تعبیرِ خواب

اکبرؔ

ہر ایک کو ہے زمانے میں زندگی مقصود
کسے خبر ہے کہ مقصودِ زندگی کیا ہے

زاہد القادری

جینے کا قصد ہے۔ تو سکوں کی نہ کر تلاش
یہ زندگی حوادثِ پیہم کا نام ہے

وحشتؔ

اسی میں عافیت ہے زندگی کو یوں بسر کرنا
نہ فکرِ نفع میں رہنا۔ نہ پروائے ضرر کرنا

اقبالؔ

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں پیہم رواں ہر دم جواں ہے زندگی

اقبالؔ

زندگی کی رہ میں چل لیکن ذرا بچ بچ کے چل
یہ سمجھ لے۔ کوئی مینا خانہ۔ بارِ دوش ہے

زینت

اکبرؔ

جہاں کی زینتیں راحت رساں ہیں چشمِ عاقل میں
مگر حق جُو کے مضطر دل کو ساکن کر نہیں سکتیں

وحشتؔ

جہاں کی دلفریبی ہائے گوناگوں کا کیا کہنا
مگر جب غور سے دیکھو تو ہر نقش ایک دھوکا ہے

اکبرؔ

زیادہ زینتِ دنیا بھی ہے فساد انگیز
جنونِ جنگ ہے پیدا اسی ترقی سے

ظفرؔ علی خاں

رسول اللہ کی امت ہے زینت ساری دُنیا کی
تمدن کی بھری محفل کی رونق ہے مسلماں سے

(س)

سجدہ

اقبالؔ

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اقبالؔ

وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی
اُسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

جگرؔ

ہزار سجدے کرے رات رات بھر زاہد
جو دل ہی صاف نہ ہو کیا جبیں پہ نور آئے

امجدؔ

کیا حق ہے زمیں پہ پاؤں رکھنے کا ہمیں
رکھا نہیں جب سجدے میں سر اک دن بھی

سربلندی

اثر صہبائی

تو سجدہ گاہِ دو عالم ہے۔ اے زمینِ سجود
تو خود شناس اگر ہو۔ تو سربلند رہے

اثر صہبائی

تباہیوں میں بھی جس کی نظر بلند رہے
یقین ہے کہ وہ دنیا میں سربلند رہے

اقبال

برہنہ سر ہے تو عزمِ بلند پیدا کر
یہاں فقط سرِ شاہیں کے واسطے ہے کلاہ

سرمایہ داری

اخگر

کون کہتا ہے کہ دولت کا طلب گار نہ ہو

تیر اگل دوسروں کے حق ہیں مگر خار نہ ہو

بیتاب

وہ دولت کچھ نہیں ہے جو نہ کام آئے غریبوں کے

نہ ہو سیراب جس سے بوستاں۔ وہ آبجو کیا ہے

اقبال

اُمید نہ رکھ دولتِ دنیا سے وفا کی،

رم اس کی طبیعت میں ہے مانندِ غزال

اقبال

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں

تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

ظفر علی خاں

دیتا ہے خدا اجر اسی مردِ خدا کو
سودائے زر و سیم سے جس کا ہے سر آزاد

اقبالؔ

مردِ درویش کا سرمایہ ہے آزادی و مرگ
ہے کسی اور کی خاطر یہ نصابِ زر و سیم

اقبالؔ

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات
جو فقر سے ہے میسّر۔ تونگری سے نہیں

رُشدؔ

باعثِ بربادیِ ملّت ہے۔ دونوں کا وفاق
دولتِ سرمایہ دار و اقتدارِ ناصواب

اقبالؔ

تدبّر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدّن کی بنا سرمایہ داری ہے

سفر

اقبالؔ

ہر شے مسافر ہر چیز راہی
کیا چاند تارے۔ کیا مرغ و ماہی

اقبالؔ

رہتے ہیں ستمِ کشِ سفر سب
تارے۔ انساں۔ شجر۔ حجر سب

اقبالؔ

عیشِ منزل ہے غریبانِ محبت پہ حرام
سب مسافر ہیں بظاہر نظر آتے ہیں مقیم

اقبالؔ

ایک ہی قانونِ عالمگیر کے ہیں سب اثر
بوئے گل کا باغ سے گلچیں کا دنیا سے سفر

اقبالؔ

ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
حیات ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں

خاموشؔ لدھیانوی

ذوقِ سفر پہ عشرتِ منزل حرام ہے
مجھ کو سفر عزیز ہے۔ منزل نہیں عزیز

خاموشؔ لدھیانوی

سفر میں فکرِ تلاشِ مقام بے معنی
رہِ فنا میں کسی نے کہیں مقام کیا

؟

سفر اے ہم سفر کچھ بھی نہیں ہے
اگر اس میں خطر کچھ بھی نہیں ہے

سکون

جوشؔ

سکوں نہ ڈھونڈ کہ صبحِ ازل سے ہے اب تک
خمیرِ ارض و سما۔ روحِ مرد و زن بیتاب

اقبالؔ

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیّر کو ہے زمانے میں

رشدؔ

جس کو کہتے ہیں سکوں ہے نام وہ بھی موت کا
زندگی کہتے ہیں جس کو ہے سراپا اضطراب

محویؔ

یہ شورشیں۔ یہ ولولے ہی زندگی کی جان ہیں
سکوت اور سکون میں کہاں مزہ حیات کا

محویؔ

جہادِ زندگی میں کیوں تلاش ہے سکون کی
ارے تغافل آشنا، یہاں عمل کا کام ہے

جاویدؔ

سکونِ قلب کب حاصل ہوا دنیائے فانی میں
ہر اک تارِ نفس جاوید، محوِ اضطراب آیا

وحشتؔ

سکوں مطلوب ہے تجھ کو، تو مایوسی کی عادت کر
ہے امید ایک کھٹکا، خوب ہے جو دور ہو جائے

حفیظ جالندھری

سکونِ زندگی حاصل ہوا ترکِ عمل کر کے
نہ خوش ہوتا ہوں آساں سے نہ گھبراتا ہوں مشکل سے

اسدؔ ملتانی

ہے یہی رازِ سکونِ دل اسدؔ
بے قراری میں مزا آنے لگے

سود و زیاں

وحشتؔ

نہ سمجھا معنیِ نفع و ضرر بازارِ ہستی میں
ہوائے سود میں دیکھا فقط روئے زیاں تو نے

اقبالؔ

ہے سلسلہ احوال کا ہر لحظہ دگرگوں
اے سالکِ رہ فکر نہ کر سود و زیاں کا

؟

نظامِ زندگانی کو بدل دے جہدِ کوشش سے
دلِ مایوس! یہ اندیشۂ سود و زیاں کب تک

وحشتؔ

زندگی کے مسئلے بھی کس قدر پیچیدہ ہیں
آرزوئے سود میں اکثر زیاں کرتے ہیں ہم

سوز و ساز

اقبالؔ

ہیں ساز پہ موقوف۔ نواہائے جگر سوز
ڈھیلے ہوں اگر تار تو بیکار ہے مضراب

جگرؔ

سوز میں بھی وہی نغمہ ہے کہ جو ساز میں ہے
فرق نزدیک کی اور دُور کی آواز میں ہے

اقبالؔ

وہ کل کے غم و عیش پہ کچھ حق نہیں رکھتا
جو آج خود افروز و جگر سوز نہیں ہے

وحشتؔ

یہ کیوں کہوں کہ سوزِ دل اپنا عیاں نہ ہو
ہاں التزامِ نالہ و آہ و فغاں نہ ہو

سہارا

عدمؔ

گلے آپس میں جب ملتے ہیں دو بچھڑے ہوئے ساتھی
عدمؔ ہم بے سہاروں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے

اکبرؔ

حالِ دل کس سے کہوں۔ پوچھنے والا بھی تو ہو
کن امیدوں پر جیئوں۔ کوئی سہارا بھی تو ہو

عدمؔ

کچھ لوگ خود اپنی کوشش سے طوفان کی زد سے بچ نکلے
کچھ لوگ مگر ملاحوں کی ہمت کے سہارے ڈوب گئے

خاموشؔ لدھیانوی

توہینِ زندگی ہے سہاروں کی زندگی
خود آپ اپنی زیست کا سامان کرینگے ہم

سیاست

فیضؔ لدھیانوی

خدا محفوظ رکھے عہدِ حاضر کی سیاست سے
نہیں اس کھیل سے باہر۔ جہاں کا مکر و فن کوئی

فیضؔ لدھیانوی

بڑی صبر آزما چالیں ہیں اربابِ سیاست کی
خدا جانے یہ غم دیتے ہیں۔ یا کرتے ہیں غم خواری

شمیمؔ کاکوروی

سولی پہ بھی چڑھ کر سچ بولیں۔ اب دل میں کہاں یہ ہمت ہے،
بس جھوٹ۔ دغا۔ وعدہ شکنی۔ ان سب کا نام سیاست ہے،

انورؔ کرمانی

ہر ایک بات میں مغرب سے استمداد نہ کر
یہ علم و فن۔ یہ سیاست ہے کارِ راہزناں

سیرت

اسد ملتانی

کمالِ آدمیّت منحصر ہے حسنِ سیرت پر
کہ معیارِ شرف سرمایہ داری ہے نہ مزدوری

جاوید

زندگی بیچارگی ہے عزم و ہمت کے بغیر
حسنِ صورت بے نمک ہے حسنِ سیرت کے بغیر

خاموش لدھیانوی

اساسِ قصرِ ملّت ہیں فقط سیرت کی تعمیریں
تمنّاؤں سے بدلی ہیں کہیں قوموں کی تقدیریں

اکبر

اے حسن کے مائل یہ نصیحت مری سن لے
سیرت پہ نظر چاہیئے صورت سے زیادہ

(ش)

شعر

آس ملتانی

جو شعر زندہ و روشن ہے۔ جاودانی ہے
نیا ہے وہ نہ پرانا۔ جدید ہے نہ قدیم

اقبال

میں شعر کے اسرار سے محرم نہیں لیکن
یہ نکتہ ہے۔ تاریخِ اُمم جس کی ہے تفصیل

طارق

اگر ہو شعر میں فطرت کا عکس اے طارق
ہر ایک لفظ میں آئے گا لطفِ قند و نبات

اقبال

وہ شعر کہ پیغامِ حیاتِ ابدی ہے
یا نغمۂ جبریل ہے یا بانگِ سرافیل

شکر

جوہرؔ

ہر شے کو لے کے شکر کیا بھی تو کیا کیا
جاں دیتے وقت شکر ادا ہو تو جانیے

وحشتؔ

چاہیے شکر بجا لائے۔ کرے بخت پہ ناز
اگر انسان سے کوئی خدمتِ انسان ہو جائے

اکبرؔ

خوانِ فلک پہ جو ملے۔ شکر کے ساتھ کر قبول
غم کی شکایتیں ہیں کیا۔ آیا ہے پیش۔ کھا بھی جا

کشفیؔ

تمہیں کرنا نہیں شکوہ کبھی اپنے مقدر کا
ادا کرنا ہے ہر دم شکر اپنے ربِ اکبر کا

شکوہ

اقبال

طریقِ اہلِ دنیا ہے گلہ شکوہ زمانے کا
نہیں ہے زخم کھا کر آہ کرنا شانِ درویشی

حافظ

حافظ کمالِ عشق کا ہے اقتضا یہی
جور و جفا اُٹھائیے۔ شکوہ نہ کیجئے

؟

کسی کو غیر کا شکوہ۔ کوئی تقدیر کا شاکی
جسے دیکھا تری دنیا میں دیکھا ہم نے فریادی

وحشت

انصاف تو یہ ہے کہ ہے شکووں میں بھی اک لطف
ہر چند مزے آتے ہیں تسلیم و رضا میں،

شوق

انور کرمانی

تعینات سے آگے ہے شوق کی منزل
نہیں ہیں اہلِ جنوں تابع زمان و مکان

اقبال

علم کی حد سے پرے بندۂ مومن کیلئے
لذتِ شوق بھی ہے نعمتِ دیدار بھی ہے

جگر

نگہِ شوق میں ہیں اور بھی صد ہا عالم
یہ نہ سمجھو کہ یہیں تک ہے نمایاں کوئی

اکبر

ذرہ ذرہ ہے خضر۔ شوق تو ہو
چلنے والے کو لاکھ راہیں ہیں

جگر

کہتی ہے یہ اب وسعتِ دیوانگیِ شوق
منزل بھی جو آجائے۔ تو منزل نہ سمجھنا

شفیق

کچھ اعتماد۔ غیر پہ۔ بہار کا۔ مزا نہیں
چمن کا شوق ہو تو خود چمن کا باغباں بنے

اکبر

خدا کا شوق ہو جس کو مَیں اس کا شائق ہوں
خدا کا یوں تو ہر اک کو خیال آتا ہے

اقبال

مانا کہ تیری دید کے قابل نہیں ہوں مَیں
تو میرا شوق دیکھ مرا انتظار دیکھ

؟

اک قدم جانا جنہیں دشوار تھا
شوق لے کر سینکڑوں منزل گیا

وحشت

شوقِ شور انگیز نے دم بھر نہ دم لینے دیا
عمر بھر مصروف ہم قطعِ منازل میں رہے

آسؔ ملتانی

دلِ بیتاب کرے کیوں نہ طوافِ منزل
ہے سفر ختم مگر شوقِ سفر باقی ہے

؟

مرے شوق نے سکھایا اسے شیوۂ تغافل
نہ مجھے نیاز ہوتا۔ نہ وہ بے نیاز ہوتا

(ص)

صبر و ضبط

جوہرؔ

سوزِ دروں سے جل بجھو لیکن دھواں نہ ہو
ہے درد دل کی شرط کہ لب پر فغاں نہ ہو

اکبرؔ

نالہ و فریاد جائز ہے مصیبت میں مگر
صبر ہی بہتر ہے انساں کو جہاں تک ہو سکے

مجذوبؔ

کروں ضبطِ فغاں کی ہائے کیا تدبیر اے ہمدم
دبانے سے طبیعت اور بھی دونی ابھرتی ہے

اکبرؔ

آدمی کے لئے دنیا میں مصائب ہیں بہت
خوش نصیبی ہے۔ جو وہ صبر کی عادت رکھے

جوہر

تجھ کو کیا فکر ہے۔ کافی ہے تجھے صبر و صلواۃ
حل ہے ہر حال میں اے دل یہی دشواری کا

اکبر

کیا آپ نے ہنوز کسی سے نہیں سنا
جس نے کیا ہے صبر خدا اسکے ساتھ ہے

عرشی

ضبط ہی ضبط ہے تمام عشق سے لیکے حسن تک
آہ بہ لب کبھی ہو غم۔ وہ غمِ عاشقی نہیں

اصغر

درد وہ ہے کہ جہاں کو تہ و بالا کر دوں
اس پہ یہ لطف کہ نالہ نہ ہو۔ فریاد نہ ہو

دل

کمالِ ضبط نے ہم کو بچا لیا ورنہ
ہمارے اشک ہمیں کو ڈبو گئے ہوتے

(ط)

طاعت

ظفر علی خاں

خدمتِ خلق ہے طاعت کا حقیقی مفہوم
یہی سمجھائی گئی غایتِ اسلام مجھے

اکبر

طاعت سے نیکیاں ہیں۔ تو نیکی سے عزتیں
شبہے کی کوئی بات نہیں اس اصول میں،

ظفر علی خاں

اگر دل سے خیالِ طاعتِ معبود ہو جائے
تو انساں قدسیوں کا بے گماں مسجود ہو جائے

نیاز

ہمیں یہ صلہ طاعتِ رب نے بخشا
کہ اقوام نے کی اطاعت ہماری

طلب

جگرؔ

بیکار ہے اے مجنوں۔ یہ پیکرِ آب و گِل
اس چیز کا طالب بن جو اصل میں لیلا ہے

ہُنرؔ

جو کچھ تمہیں مانگنا ہے۔ رب سے مانگو
زاری سے تضرّع سے۔ ادب سے مانگو

اکبرؔ

خدا سے مانگ جو کچھ مانگنا ہو اے اکبر
یہی وہ در ہے کہ ذلت نہیں سوال کے بعد

اکبرؔ

طلب اپنی نہ بڑھنے دے ضروری رزق کی حد سے
بچائے گی قناعت تیری۔ تجھ کو کفر کی زد سے

اکبرؔ

طلبِ دنیا کی کر اتنی کہ طاعت ہو سکے رب کی
معیبت ہے یہ شرط اس میں کہ شوکت ہو۔ تجمل ہو

؟

غمِ دنیا میں رنگِ عشق پیدا کر یہ راحت ہے
بڑی توہین ہے۔ دنیا سے راحت کی طلبگاری

میر ولی اللہ

گرمیٔ عشق ہے بس ذوقِ طلب سے قائم
زندہ رہتا ہے یہ آتش کدہ یوں ہی دائم

ثاقبؔ کانپوری

کم نہ ہو جوشِ طلب۔ اے پائے ہمت المدد
ایک لطفِ خاص خالص سعیِ لاحاصل میں ہے

عاصی کرنالی

بگڑ رہا ہے کچھ ایسا معاشرے کا نظام
کہ زندگی کو شب و روز ہے اجل کی طلب،

اکبر

رہِ طلب میں ہے بس مقدم شکستہ دل اور چشم پُرنم
نہیں مؤثر کچھ اس میں ہمدم امیر ہونا غریب ہونا

جگر

مری طلب بھی اُسی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اُٹھتے نہیں ہیں۔ اُٹھائے جاتے ہیں

اکبر

دنیا کا تردد جب تک تھا جب تک کہ ہم اس کے طالب تھے
پھیری جو نظر۔ غم ہو گئے کم۔ رغبت نہ رہی دنیا نہ رہی

(ظ)

ظاہر و باطن

اکبرؔ

عجب پیچیدگی ہے صورت و معنیٰ کی دنیا میں
جو نافع ہے وہ باطن ہے جو دلکش ہے وہ ظاہر ہے

اکبرؔ

جو دیکھا غور سے یہ بات ثابت ہو گئی آخر
وہی ظاہر وہی باطن۔ وہی اول وہی آخر

اخگرؔ

قالب و روح کا دیکھا بھی یہ گورکھ دھندا
فانی تو آئے نظر۔ باقی نمودار نہ ہو

نجمؔ ندوی

کسی پردہ نشیں کو چشم ظاہر خاک دیکھے گی
جسے ہو شوقِ نظارہ۔ وہ دیکھے دیدۂ دل سے

ظفر علی خاں

کاش باطن کی حقیقت سے بھی واقف ہوتے
جن کے ہاتھ آئی ہے ظاہر کی پرستش کی کلید

اکبرؔ

نہ ہو یادِ خدا تو نورِ باطن ہو نہیں سکتا
نہ ہو طالع اگر خورشید تو دن ہو نہیں سکتا

اکبرؔ

دلیلیں فلسفہ کی نورِ باطن کر نہیں سکتیں
کواکب کی شعاعیں رات کو دن کر نہیں سکتیں

اکبرؔ

رنگ چہرے کا تو کالج نے بھی رکھا قائم
رنگِ باطن میں مگر باپ سے بیٹا نہ ملا

احسنؔ

ظاہر کے نور سے نہیں باطن کو فائدہ
روشن کیا لحد کو نہ شمعِ مزار نے

ظلم

وحشت

ظلم ہے صیاد ابھی تک مطمئن مجھ سے نہیں
وہ سمجھتا ہے کہ باقی طاقتِ پرواز ہے

ظفر علی خاں

جور و استبداد کی چکی میں دنیا پس گئی،
اب نہ وہ امن و اماں ہے اور نہ وہ صلح و سلام

؟

تم سمجھتے ہی نہیں کیا چیز ہیں علم و یقیں
اہلِ دل ہر ظلم سہہ لیتے ہیں صبر و شکر سے

؟

کم نگاہو! فطرتِ انساں سے تم واقف نہیں
سرکشی کچھ اور بڑھ جاتی ہے ظلم و جور سے

ظن

اقبالؔ

پاک ہوتا ہے ظن و تخمیں سے انساں کا ضمیر
کرتا ہے ہر راہ کو روشن چراغِ آرزو

اقبالؔ

مشامِ تیز سے ملتا ہے صحرا میں نشاں اس کا
ظن و تخمیں سے ہاتھ آتا نہیں آہوئے تاتاری

طارقؔ

گماں و ظن سے نہ برباد کر خودی اپنی
فقط یقین سے ملتا ہے امتوں کو ثبات

طالوتؔ

حسن سے بدظن نہ ہو اے بوالہوس
اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ یاد رکھ

(ع)

عاجزی و انکسار

اکبرؔ

انساں فقط عجز و دعا ہی کیلئے ہے
جو عزت و عظمت ہے خدا ہی کیلئے ہے

اکبرؔ

زمیں کی طرح جس نے عاجزی و خاکساری کی
خدا کی رحمتوں نے اس کو ڈھانکا آسماں ہو کر

حیرتؔ شملوی

چھوٹوں سے بھی ملتے ہیں جو گردن کو جھکا کر
دنیائے محبت میں وہی لوگ بڑے ہیں،

وحشتؔ

وحشتؔ کروں غرور تو کس بات کا کروں
پاتا ہوں میں تو اپنے سے بہتر ہر ایک کو،

عبادت

اقبالؔ

یہ بندگی خدائی - وہ بندگی گدائی
یا بندۂ خدا بن یا بندۂ زمانہ

اکبرؔ

درد تو موجود ہے اس کی دوا ہو یا نہ ہو
بندگی حالت سے ظاہر ہے خدا ہو یا نہ ہو

اقبالؔ

سوداگری نہیں - یہ عبادت خدا کی ہے
اے بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

مجذوبؔ

مال و زر و دل و جگر - کر دے سبھی کو وقف در
بندگی اور بقید سر - ننگ ہے - بندگی نہیں

اکبرؔ

خلاصہ ہے یہی ساری شریعت اور حکمت کا
وہی بندہ ہے اچھا۔ شوق ہو جس کو عبادت کا

خاموشؔ لدھیانوی

نشانِ کبر ہو۔ جس کی جبیں پر
بھلا وہ بندگی۔ کیا بندگی ہے

اکبرؔ

خدا ہی کی عبادت جن کو ہو مقصود اے اکبرؔ
وہ کیوں باہم لڑیں۔ گو فرق ہو طرزِ عبادت میں

وحشتؔ

مقامِ بندگی کے عیش اگر مطلوب ہے تجھ کو
تجسس ترک کرنا۔ وقفِ تسلیم و رضا ہونا

ظفر علی خاں

عبادت گاہ مومن کی زمیں سے آسماں تک ہے
کبھی فرشِ زمیں مسجد۔ کبھی عرشِ بریں مسجد

جگرؔ

محوِ تسبیح تو سب ہیں، مگر ادراک کہاں
زندگی خود ہی عبادت ہے مگر ہوش نہیں

عبرت

اکبرؔ

کبھی ہے صبحِ عید اس میں۔ کبھی شامِ محرّم ہے
یہ عالم چشمِ بینا کے لئے عبرت کا عالم ہے

اکبرؔ

تعجب نخوتِ اہلِ زمیں پر مجھ کو آتا ہے
یہ اس پر کیوں اکڑتے ہیں کہ جس میں مر کے گڑتے ہیں

اکبرؔ

دو روزہ زندگی ہے جاہ و حشمت پر نہ ہو غافل
فریدوں ہے۔ نہ کیخسرو، سکندر ہے۔ نہ دارا ہے

اکبرؔ

جن کے جلوے نہ سما سکتے تھے ایوانوں میں
اُن کی خاک آج پڑی پھرتی ہے ویرانوں میں

آتش

اگر تجھے حق نے چشمِ عبرت نگاہ دی ہے تو دیکھ نادل

کہ تجھ پہ اپنی روش کا انجام صورتِ مہرِ دمہ عیاں ہو

آسی ملتانی

چشمِ عبرت نے حوادث کو نہ سمجھا کافی

میری نظروں میں حقیقت یہ ہے افسانوں کی

عرفان

اکبرؔ

حواس و ہوش گم ہیں۔ بحرِ عرفانِ الٰہی میں
یہی دریا ہے۔ جس میں موج کو ساحل نہیں ملتا

خلیقؔ برہانپوری

ذرّہ ذرّہ سے عیاں ہے طور کا منظر خلیق
دیدۂ دل نورِ عرفاں سے منوّر چاہیئے

اکبرؔ

جو راہِ معرفت میں کاروانِ دل قدم رکھے
تو ساری کائنات اڑ جائے گردِ کارواں ہو کر

تپاںؔ

محبت۔ عشق۔ یہ سب منزلیں ہیں راہِ عرفاں کی
جسے سمجھے ہو دردِ دل حلاوت ہے وہ ایماں کی

اکبرؔ

خلقت میں جلوۂ حق پاتے ہیں اہلِ عرفاں
آنکھیں زمین پہ ہیں۔ دل آسمان پر ہیں،

اخترؔ

ہے اصل معرفت وہ معرفت اپنی
عیاں ہے راز یہی۔ جامِ جم کے پردے میں

اقبالؔ

میں خود بھی نہیں اپنی حقیقت کا شناسا
گہرا ہے مرے بحرِ خیالات کا پانی

اقبالؔ

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے۔ تو ہیں تیرے گدا دارا و جم

شبلی نعمانی

نظر آتے ہیں ہم کو عیب اپنے خوبیاں بن کر
ہم اپنے جہل کو بھی یہ سمجھتے ہیں کہ عرفاں ہے

آسد ملتانی

کچھ دن رہی آگاہی خضرِ رہ گمراہی
پھر علم کے پہلو میں عرفاں نظر آتا ہے

اخگر

سورج کی شعاعوں کو بھی چوسا تم نے
موجوں کو ہواؤں کی بھی چوما تم نے
غنچو! تمہیں شبنم کی قسم سچ کہنا
مالی کی حقیقت کو بھی سمجھا تم نے

عزت

افق

عزت و توقیر پہ اپنی نہ ہو مغرور تم
عزت و توقیر کی شایاں ہے اک خالق کی ذات

؟

دوسرے قابلِ عزت۔ وقار کے قابل
بجز خدا جو کسی کے لئے نگوں نہ ہوا

اکبر

صفِ مسجد میں جو آئے نظر۔ عزت کرو اس کی
یہ سمجھو تم اسے اللہ کے دربار میں دیکھا

ظفر علی خاں

جس نے ناموسِ پیمبر پہ کیا جاں کو نثار
اس کی عزت کا خدا خود نگراں ہوتا ہے

اکبر

گھٹا کر دین کو۔ عزت تری بڑھ سکتی ہے کیونکر
طریقِ کفر میں اے دوست حفظِ آبرو کیسا،

ظفر علی خاں

اپنی عزت کا وہ خود کرتی تھی جب تک اہتمام
محترم تھی۔ سب کے نزدیک اُمتِ خیرالانام

اقبال

عزت ہے محبت کی قائم اے قیس حجابِ محمل سے
محمل جو گیا۔ عزت بھی گئی۔ غیرت بھی گئی۔ لیلا بھی گئی

جوہر

جو کھو بیٹھا متاعِ عزتِ نفس،
برابر ہو گیا مور و مگس کے

ظفر علی خاں

خدا کی راہ میں جو ہو کے سر بکف نکلے
اُسی کو مسندِ عز و وقار دیتے ہیں

عشق

جگرؔ

بندگی جنوں ادا۔ بیخودی ادب سرشت
حسن کی اصطلاح میں عشق اسی کا نام ہے

عدمؔ

عشق کی دیوانگی۔ فرزانگی کی جان ہے
عشق کی جشت جلالِ زندگی کی شان ہے

جگرؔ

شوقِ بے پایاں وجوشِ بحجاب
عشق کیا ہے؟ اک مسلسل اضطراب

عدمؔ

عشق میں مضمر ہیں اسرارِ دوامِ زندگی
عشق سے ہوتی ہیں قو میں شادکامِ زندگی

جوہر

عشق ہی باعثِ تکوینِ جہاں ہے غافل
تو نے جانا کہ یہ اک شغل ہے بیکاری کا

جگر

ابتدا عشق کی ہے فطرتِ انساں کی نمود
انتہا عشق کی تکمیل ہے انسانوں کی

اقبال

حدِ ادراک سے باہر ہیں باتیں عشق و مستی کی
سمجھ میں اس قدر آیا کہ دل کی موت ہے دوری

اقبال

کھول کے کیا بیاں کروں سرِ مقامِ مرگ و عشق
عشق ہے مرگِ باشرف مرگِ حیات بے شرف

اقبال

وہ پرانے چاک جن کو عقل سی سکتی نہیں
عشق سیتا ہے انہیں بے سوزن و تارِ رفو

اقبال

اگر ہو عشق۔ تو ہے کفر بھی مسلمانی،
نہ ہو۔ تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق

جگر

یہ عشق نہیں آساں۔ اتنا ہی سمجھ لیجے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

خاموش لدھیانوی

جو بارگاہِ حسن میں چاہے نمازِ عشق
لازم ہے خونِ دل سے وہ پہلے وضو کرے

وحشت

عجب نعمت ہے سوزِ عشق بھی جس کو میسر ہو
نہ جل سکتا ہو جو دل۔ وہ جلا دینے کے قابل ہے

جوہر

تو کس خیال میں ہے؟ یہ وہ عشق ہی نہیں
اے بوالہوس۔ جو فرصتِ بوس و کنار دے

عقل

عدمؔ

عقل کیا ہے؟ ذہنِ انساں کے تدبّر کا جمال
عقل کیا ہے؟ صنعتِ غور و تفکّر کا جمال

رشدؔ

عقل ہی کی روشنی سے نعمتوں کو ہے فروغ
خود خدا نے بھی کیا ہے عقل والوں سے خطاب

اقبالؒ

ہر خاکی و نوری پہ حکومت ہے خرد کی
باہر نہیں کچھ عقلِ خداداد کی زد سے

اقبالؒ

عالم ہے غلام اس کے جلالِ ازلی کا
اک دل ہے کہ ہر لحظہ الجھتا ہے خرد سے

جوشؔ

علم سے بڑھتی ہے عقل اور عقل ہے وہ بدد ماغ
جو بجھا دیتی ہے سینے میں محبت کے چراغ

آسؔد ملتانی

نہیں ہے سوزِ غمِ عشق کی جھلک جس میں
وہ نورِ عقل بھی دل کو سیاہ کرتا ہے

آسؔد ملتانی

بھلا وحی و رسالت کی ضرورت ہی کہاں پڑتی
جو ہوتی عقل ہی سے زندگی کی رہبری پوری

اقبالؔ

عقل عیّار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بیچارہ نہ مُلّا ہے نہ زاہد نہ حکیم

رشؔید

قوتیں سب سلب کر دیتا ہے عقلوں کا جمود
بے حسی قوموں پہ چھا جاتی ہے بن کر اک عذاب

علم

اقبال

زندگی کچھ اور شے ہے۔ علم ہے کچھ اور شے
زندگی سوزِ جگر ہے۔ علم ہے سوزِ دماغ

جوش

علم اصلی اور ہے۔ علمِ کتابی اور ہے
پردہ داری اور فیضانِ باریابی اور ہے

اقبال

علم میں دولت بھی ہے۔ قدرت بھی ہے لذت بھی ہے
ایک مشکل ہے کہ ہاتھ آتا نہیں اپنا سراغ

اقبال

علم میں بھی سرور ہے لیکن
یہ وہ جنت ہے جس میں حور نہیں

اقبال

علم کا مقصود ہے۔ پاکیِ عقل و خرد
فقر کا مقصود ہے عفّتِ قلب و نگاہ

اکبر

سب جانتے ہیں علم سے ہے زندگیِ روح
بے علم ہے اگر تو وہ انساں ہے ناتمام

اکبر

علمِ دنیوی کے بحر میں غوطے لگانے سے
زباں گو صاف ہو جاتی ہے۔ دل طاہر نہیں ہوتا

جوش

جز علم۔ جہالت کی دوا کچھ بھی نہیں
جز فکر دماغوں کی غذا کچھ بھی نہیں

ظفر علی خاں

علم بے ذوقِ عمل جہل ہے اور وہ بھی بسیط
علم کو دے گو دیندِ خرافات نہ کر

علم و ادب

اسد ملتانی

ادب کے حسن کا معیار ہے مذاقِ سلیم
عبث ہے اس میں جدید و قدیم کی تقسیم

اسد ملتانی

ہے کیمیا وہ ادب جس سے زندگی بدلے
ہے سیمیا جو نظر میں ہے فقط زر و سیم

عاصی کرنالی

وہ لوگ دور ہیں ماحول کے تقاضوں سے
ہے جن کی فکر کا مرکز "ادب برائے ادب"

طالب

اس دور کے عجیب ہی دیکھے ادب نگار
آئی جو کوئی لہر تو سب اس میں بہہ گئے

عمل

رشد

ذرّہ ذرّہ میں ہے پنہاں ایک دنیائے عمل
خواب سمجھا ہے جسے تو، ہے وہی تعبیرِ خواب

ماہر القادری

ہے عرصۂ ہستی میں عمل ہی سے تو سب کچھ
باتوں سے کوئی کام بنا ہے۔ نہ بنے گا

اثر صہبائی

ہے نہاں حسنِ عمل میں عظمتِ انساں کا راز
تو سمجھتا ہے کمالِ زندگی ہے۔ مکر و فن

ظفر علی خاں

آج ہی آساں ہوئی جاتی ہیں ساری مشکلیں
علم والوں کا عمل بھی ہو اگر قرآن پہ

اکبرؔ

اگر اعمال اچھے ہیں۔ تو پاؤ گے بڑے درجے
سمجھ لو امتحاں اس دارِ فانی میں تمہارا ہے

اصغرؔ

یہاں کوتاہیِ ذوقِ عمل ہے خود گرفتاری
جہاں بازو سمٹتے ہیں۔ وہاں صیاد ہوتے ہیں

؟

مانگنا غیر سے کیا؟ ہو نہ عمل پاس تو پھر
درِ حق پر بھی ہے بے فائدہ سائل ہونا

؟

مردانِ ہنرمند و عمل کوش و صفا کیش
بے مہریِ افلاک سے ہوتے نہیں دلریش

اسد ملتانیؔ

حسنِ عمل کی سعی ضروری تو ہے۔ مگر،
اس کے لئے خدا سے بھی توفیق چاہیئے

آسی ملتانی

زاہد شعورِ حسن سے بیگانہ ہی رہا
حسنِ نظر نہیں ہے تو حسنِ عمل کہاں

اقبال

ہر عمل کے لئے ہے ردِ عمل
دہر میں عیش کا جواب ہے نیش
شیر سے آسمان لیتا ہے
انتقامِ غزال و اشتر و میش

عمر

آنور کرمانی

تڑپ ہے۔ درد ہے۔ فریاد و آہ و شور و فغاں
اک اضطرابِ مسلسل فقط ہے عمرِ رواں

اکبر

حاصلِ عمر سوا موت کے جب کچھ بھی نہیں
چار دن کے لئے یہ عیش و طرب کچھ بھی نہیں

اکبر

بہارِ عمر جب آخر ہوئی۔ واپس نہیں آتی
درخت اچھے کہ پھلتے ہیں نئے سر سے جواں ہو کر

اقبال

وہی زمانے کی گردش پہ غالب آتا ہے
جو ہر نفس سے کرے عمرِ جاوداں پیدا

عیب جوئی

اکبرؔ

اپنے عیوب پر تو ذرا بھی نظر نہیں
اوروں پہ اعتراض میں ہر وقت مست ہے

اکبرؔ

عمل اوروں ہی کے دیکھا کئے یہ نیک یہ بد ہیں
ترقی خود نہ کی کچھ۔ رہ گئے ویسے کہ جیسے تھے

افقؔ کاظمی

دوسروں کی آنکھ کے تنکے پہ کرنا ہے نظر
دیکھ غافل پہلے اپنی آنکھ کے شہتیر کو،

اکبرؔ

اوروں پہ معترض تھے لیکن جو آنکھ کھولی
اپنے ہی دل کو ہم نے گنجِ عیوب دیکھا

عید

افقؔ کاظمی

حُسن و خوبی سے ادا ہو فرضِ حبِ اللہ کا
عید ہے تب مسلمِ صادق کی۔ بیشک۔ بیگماں

افقؔ کاظمی

جبکہ تو اس فرض کی غایت سے واقف ہی نہیں
عید تیری پھر بھلا۔ اے مسلمِ غافل۔ کہاں

افقؔ کاظمی

ہیچ ہے ہیچ نہ پہنا جو لباسِ تقویٰ
زیبِ تن قیمتی جوڑا ہے اگر عید کے روز

جوہرؔ

وہی دن ہے ہماری عید کا دن
جو تری یاد میں گزرتا ہے

اَسد ملتانی

سینے سے سینہ سب نے ملایا تو کیا ہوا
احباب دل سے دل بھی ملائیں تو عید ہو

اخگر

سنتے ہیں مرے کان کہ عید آئی ہے
آنکھوں کو لباس کی بھڑک بھائی ہے
حوریں اسے دیتی ہیں مبارک بادی
جو احمدِ مختار کا شیدائی ہے

(غ)

غفلت

اکبرؔ

کون ایسا ہے نہیں ہے موت کی جس کو خبر
پھر جو غفلت ہے۔ تو یہ دنیا کا اک دستور ہے

اصغرؔ

قہر ہے تھوڑی سی بھی غفلت طریقِ عشق میں
آنکھ جھپکی قیس کی اور سامنے محمل نہ تھا

اکبرؔ

اس کو تھا ناز کہ حاصل ہے مجھے راحت و عیش
میں نے جانچا۔ تو نہ تھا کچھ بھی وہ غفلت کے سوا

اقبالؔ

چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں

غلامی

اقبالؔ

غلامی کیا ہے؟ ذوقِ حسن و زیبائی سے محرومی
جسے زیبا کہیں آزاد بندے۔ ہے وہی زیبا

اقبالؔ

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

طالوتؔ

نہ اپنا سلیقہ۔ نہ اپنا قرینہ
غلامی کا جینا بھی ہے کوئی جینا

طالوتؔ

دل پریشاں عقل پراں۔ ہوش گم۔ دانش خراب
اف غلامی نے مسلط کر دیئے کیا کیا عذاب

اقبال

خواجگی میں نہیں رہتی کوئی مشکل باقی
پختہ ہو جاتے ہیں جب خوئے غلامی میں غلام

اقبال

سُنا ہے میں نے غلامی سے اُمتوں کی نجات
خودی کی پرورش و لذتِ نمود میں ہے

غم

اقبالؔ

غم جوانی کو جگا دیتا ہے لطفِ خواب سے
ساز یہ بیدار ہوتا ہے۔ اسی مضراب سے

اقبالؔ

طائرِ دل کے لئے غم شہپرِ پرواز ہے
راز ہے انساں کا دل غم انکشافِ راز ہے

اسد ملتانی

ہزار عشرتِ ناپائیدار سے بہتر
وہ ایک غم جو کسی وقت دم سے دور نہیں

عدم

دل تھا مسرتیں تھیں۔ جوانی تھی شوق تھا
لیکن غمِ زمانہ ہر ایک شے کو کھا گیا

اکبرؔ

خدا پناہ میں رکھے کشاکشِ غم سے،
اسی سے تارِ نفس جلد ٹوٹ جاتا ہے

فانیؔ

غم بھی گزشتنی ہے۔ خوشی بھی گزشتنی
کر غم کو اختیار کہ گزرے تو غم نہ ہو

غیرت

اقبال

غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دو میں
پہناتی ہے درویش کو تاجِ سرِ دارا

؟

ہزار درد پہ بھی کھا نہ داغِ منتِ غیر
غیور رہے۔ تو مسیحا سے بھی علاج نہ پوچھ

طارق

غیرت نہ بیچ دولتِ قارون کے عوض
غیرت ہی تیری ہستی کا اوجِ کمال ہے

اثر

جس کی غیرت اُڑ گئی جس کی حمیت اُٹھ گئی
ہو چکا اس قوم کا لبریز جامِ زندگی

(ف)

فتنہ

اقبالؔ

تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے
حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

اقبالؔ

فتنۂ فردا کی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ آج
کانپتے ہیں کوہسار و مرغزار و جوئبار

عاصی کرنالی

نفاقِ ملت کو آگ سمجھو۔ یہاں سے دامن بچا کے گذرو
اس آگ کو تم ہوا نہ دینا۔ یہ فتنہ کچھ مختصر نہیں ہے

جگرؔ

کہیں نہ فتنہ کوئی اٹھ کے تھام لے دامن
قدم نہ راہِ محبت میں بے حساب اٹھا

فرقہ بندی

اقبالؔ

وا نہ کرنا فرقہ بندی کے لئے اپنی زباں
چھپ کے ہے بیٹھا ہوا ہنگامۂ محشر یہاں

عزیزؔ

مٹ گئی ہیں اختلافِ باہمی ہیں اُمتیں
کس لئے غافل بچھاتا ہے حریفانہ بساط

؟

تمہاری فرقہ داری نے اجاڑا قوم کا گلشن
ملا دی خاک میں یک لخت سرسبزی و شادابی

؟

پھوٹ نے کام کیا وہ جو قضا بھی نہ کرے
گھر میں دشمن کے کبھی یہ خانہ برانداز نہ ہو۔

اثرؔ

فرقہ بندی سے نہ ہو خطرہ میں کیوں قومی بقا
ربط ہی تو ہے عناصر کا نظامِ زندگی

٭

مٹا دو قوم سے نام و نشاں اس فرقہ داری کا،
کہ یہ رکھتی ہے اس بیڑے کے حق میں حکمِ غرقابی

٭

ایک قرآں۔ ایک قبلہ۔ ایک اللہ ایک رسول
بدنصیبی ہے کہ تفریقِ دوامی ہو گئی

وحشتؔ

ہم نے دنیداروں میں تو دیکھے ہیں صدہا اختلاف
پر نہیں دیکھی رہ و رسمِ مغاں بدلی ہوئی

حفیظ جالندھری

شہرِ الفت میں کوئی تفرقہ پرداز نہیں
کہیں کعبہ نظر آیا نہ کلیسا ہم کو

فطرت

آثر رامپوری

فطرتِ انساں۔ پرستارِ تجلّی کیوں نہ ہو،
بادۂ عشقِ ازل مینائے آب و گِل میں ہے،

اکبر

باطن سے ہے۔ اخلاقِ حمیدہ کا تعلق
فطرت میں جسے نیک وہ بد ہو گا نہ زنہار

جگر

ہر لحظہ کہہ رہا ہے یہ انقلابِ فطرت
یعنی جہاں ابھی تھی دنیا۔ وہاں نہیں ہے

الم

آج ہے جو مطمئن ہو گا وہ کل آشفتہ تر
فطرتِ ہستی کا ہے یہ اقتضا اے بے خبر

فقر

اقبالؔ

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے
وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روحِ قرآنی

اقبالؔ

خوار جہاں میں کبھی ہو نہیں سکتی وہ قوم
عشق ہو جس کا جسور، فقر ہو جس کا غیور

اقبالؔ

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا؟ زورِ حیدرؓ - فقرِ بوذرؓ - صدقِ سلمانیؓ

اقبالؔ

مقامِ فقر ہے کتنا بلند شاہی سے
روش کسی کی گدایانہ ہو تو کیا کہیے

فکر

جگر

معنی صورت بصورت معنی فکر و نظر کے دھوکے ہیں
فکر و نظر تک رہ جانا۔ فکر و نظر کی پستی ہے

جوہر

چھوڑ میری فکر غافل۔ رو خود اپنی قید پر
جس کو تو زیور سمجھتا ہے۔ وہی زنجیر ہے

ناظر

زندہ قومیں فکر مستقبل کے پیچ و خم میں ہیں
مردہ دل مسلم ابھی ماضی کے ہی ماتم میں ہے

اکبر

فکر سے۔ ذکر سے۔ عبرت سے تجھے کام نہیں
واہ وا کے لئے لفظوں کی دکان تو نے چنی؛

اکبر

یہ فکر چھوڑ کہ دنیا کا حال کیا ہوگا
اسی کو سوچ کہ تیرا مآل کیا ہوگا

اکبر

لحد کی فکر بھی لازم ہے۔ منعم۔ قصر عالی میں
مآل کار بھی کچھ سوچ لے۔ اے بے خبر اپنا

؟

ہماری دولت بنی تھی۔ ہمارے امن کی دشمن،
نہ ہوتی فکر مستقبل تو عیش جاوداں کرتے

اقبال

آزادیِ افکار سے ہے ان کی تباہی
رکھتے نہیں۔ جو فکر و تدبر کا سلیقہ

فلسفۂ اقوام

اقبالؔ

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

اقبالؔ

قوم گویا جسم ہے۔ افراد ہیں اعضائے قوم
منزلِ صنعت کے رہ پیما ہیں دست و پائے قوم

اقبالؔ

افراد کے ہاتھوں میں ہے۔ اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملّت کے مقدر کا ستارہ

اقبالؔ

قوموں کی حیات ان کے تخیل پہ ہے موقوف
یہ ذوق سکھاتا ہے ادب مرغِ چمن کو

اقبال

بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا۔ وہ ہنر کیا

اقبال

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد

اقبال

خوار جہاں میں کبھی ہو نہیں سکتی وہ قوم
عشق ہو جس کا جسور۔ فقر ہو جس کا غیور

اقبال

صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

اقبال

محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے
کیا ہے اپنے بختِ خفتہ کو بیدار قوموں نے

اقبالؔ

نہ فقر کے لئے موزوں نہ سلطنت کیلئے
وہ قوم جس نے گنوایا۔ متاعِ تیموری

اقبالؔ

اس کی تقدیر میں محکومی و مظلومی ہے
قوم جو کر نہ سکی۔ اپنی خودی سے انصاف

اقبالؔ

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملّت کے گناہوں کو معاف

اقبالؔ

نشان یہی ہیں۔ زمانے میں زندہ قوموں کے
کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں

اقبالؔ

کمالِ صدق و مروّت ہے زندگی ان کی،
معاف کرتی ہے فطرت بھی ان کی تقصیریں

آسی ملتانی

ربطِ ملت کیلئے درکار ہے ایسا نظام
جو کہ صورت گر بنے ہر فرد کی تقدیر کا

آسی ملتانی

اس کی مضبوطی پہ کر سکتے نہیں کچھ اعتماد
ایک بھی حلقہ اگر کمزور ہو زنجیر کا

اقبال

سو تدابیر کی اے قوم یہ ہے اک تدبیر
چشمِ اغیار میں بھی بڑھتی ہے اس سے توقیر
دُرِ مطلب ہے اخوت کے صدف میں پنہاں
مل کے دنیا میں رہو مثلِ حروفِ کشمیر

فنا

کشفیؔ

فنا ہے لازمی ہر چیز کو۔ ہر چیز فانی ہے
سمجھتے ہو جسے دنیا۔ وہ اک جھوٹی کہانی ہے

اصغرؔ

ذرہ ذرہ ہے یہاں کا رہرو راہِ فنا،
رہ گئے کی بات کتنی جس کو نہ سمجھا تھا میں

اکبرؔ

فنا اسی رنگ پر ہے قائم فلک وہی چال چل رہا ہے
شکستہ و منتشر ہے وہ کل جو آج سانچے میں ڈھل رہا ہے

سیمابؔ

اس فنا خانے کا دستورِ دوامی ہے یہی
مل گیا مٹی میں جب انساں کسی قابل ہوا،

اکبرؔ

شخصی ہوں خواہ قومی سب حالتیں ہیں فانی

کبر و غرور کب تک۔ جاہ و حشم کہاں تک

اسدؔ ملتانی

فنا یہی ہے کہ دل میں نہ ہو یقینِ بقا

بقا یہی ہے کہ اندیشۂ فنا نہ کریں

جگرؔ

آدمی نشۂ غفلت میں بھلا دیتا ہے

ورنہ جو سانس ہے تعلیمِ فنا دیتا ہے

جوشؔ

قیدِ ہستی سے کوئی ذرہ رہا ہوتا نہیں

ٹوٹ جاتا ہے قفس۔ طائر فنا ہوتا نہیں

اقبالؔ

مرنے والے مرتے ہیں۔ لیکن فنا ہوتے نہیں

یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں

علام

توڑ دیتا ہے جنونِ عشق قانونِ فنا
سرد ہو جاتا ہے رعبِ عشق سے خونِ فنا

اخگر

دُنیا میں ہر اک سمت ہے سرگردانی
جس چیز کو دیکھو ہے وہ آنی جانی
کیا خاک لگے محفلِ آفاق میں دل
موجود ہے جو کچھ بھی وہ سب ہے فانی

فیض

اکبر

فیضِ باطن سے مدد لے عشق کا ہو جا مرید
اہلِ ظاہر کے ملا ئے تو خدا ملتا نہیں

اکبر

ان نئی روشنی والوں سے نہیں ہے کچھ فیض
شبِ تاریک میں چمکا کریں جگنو کی طرح،

خاموش لدھیانوی

تھی جن کے فیضِ قدم سے بہارِ صحنِ چمن
انہی کی راہ میں کانٹے بچھائے جاتے ہیں

اسد ملتانی

نہیں اربابِ باطل بہرہ ورِ فیضِ رسالت سے
نہ روشن ان پہ اپنے دیدۂ باطن کی بے نوری

(ق)

قدرت و حکمت

اقبالؔ

ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے
کوئی بڑا۔ کوئی چھوٹا یہ اس کی حکمت ہے

اقبالؔ

نہیں ہے چیز نکمّی کوئی زمانے میں
کوئی بُرا نہیں قدرت کے کارخانے میں

اقبالؔ

یہی آئینِ قدرت ہے یہی اسلوبِ فطرت ہے
جو ہے راہِ عمل میں گامزن محبوبِ فطرت ہے

ظفر علی خاں

ہیں مطابق فہمِ انسانی کے سب اس کے اصول
علم و حکمت کے قریب اور عقل و دانش کے قریں

اکبرؔ

تیرے الفاظ نے کر رکھے ہیں دفتر پیدا
ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا

اکبرؔ

جہانِ فانی کے کل کوائف اسی کی قدرت کے ہیں لطائف
اسی کی رحمت پہ کوئی غافل اسی کی عظمت سے کوئی خائف

اکبرؔ

دستِ قدرت میں ہے یہ خاکِ چمن اے اکبرؔ
اس سے کیونکر یہ کہوں پھول ہی بن۔ خار نہ بن

جوشؔ

ناخنِ حکمت پہ کرتا ہوں بھروسا جس قدر
عقدۂ اسرار کو پیچیدہ تر پاتا ہوں میں

اعجازؔ

اس حکمت و فلسفہ سے اے صاحبِ ہوش
جب روح طرب ناک نہیں کیا حاصل

قرآن

اسد ملتانی

بنا اسلام کی احکام قرآنی پہ قائم ہے
یہاں نا معتبر ہے قلت و کثرت کی منظوری

اسد ملتانی

مسلماں کے لئے قرآن ہے سرچشمۂ قوت
نہ ہو کیوں ضعف اتنا جس قدر قرآں سے ہے دوری

اسد ملتانی

وہ دولت سینۂ مومن نے کی قرآن سے حاصل
نہیں ملتی جو کانوں میں۔ خزانوں میں۔ دفینوں میں

طاہر

اس کو مطلوب حقیقی ہوا حاصل جس نے
منزل عشق کو قرآن کی منزل سمجھا

آسد ملتانی

واعظ و تفسیر کی حاجت نہ رہے لے واعظ
زندگی تیری جو آئینۂ قرآں ہو جائے

آسد ملتانی

زیست اس طرح بسر کرتے ہیں فرد و ملّت
جیسے کوئی بھی ضرورت انہیں قرآں کی نہیں

قسمت

اکبرؔ

وہی قانونِ فطرت ہے جسے تقدیر کہتے ہیں
جسے قسمت سمجھتے ہیں وہ تدبیروں کا حاصل ہے

؟

قسمت کے بگڑنے پر احباب بھی دشمن ہیں
بگڑے کا نہیں کوئی۔ بننے پہ زمانہ ہے

اکبرؔ

کسی کی قسمت میں زہرِ غم ہے کسی کو حاصل مے طرب ہے
وہی بگاڑے۔ وہی بنائے۔ اسی کی قدرت کا کھیل سب ہے

اظہرؔ

یہاں گاڑھے پسینے کی کمائی دے کے پیروں کو
مٹانا چاہتے ہیں لوگ قسمت کی لکیروں کو

قناعت

اقبالؔ

قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں

اکبرؔ

قناعت نہیں ہے تو ایمان رخصت
عبادت نہیں۔ تو مسلمان رخصت

اقبالؔ

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیِ داماں بھی ہے

اکبرؔ

طامع کو گدا پایا۔ قانع کو غنی دیکھا
اوروں کی نہیں کہتے ہم نے تو یہی دیکھا

قوت

آسد ملتانی

وہ ملی قوت بازوئے مسلم میں کی اسلام نے پیدا
نہیں دیکھی جواب تک اہلِ یورپ نے مشینوں میں

اقبال

وحدت کی حفاظت نہیں بے قوتِ بازو
آتی نہیں کچھ کام یہاں عقلِ خدا داد

نجم

قوتِ بازو سے بڑھ کر کوئی نعمت ہی نہیں
یہ ہے وہ گوہر کہ جس کی کوئی قیمت ہی نہیں

نازش

اسی کو کر گئی پابندِ زنداں گردشِ دوراں
چمن میں جس نے اپنی قوتِ بازو نہ پہچانی

آسد ملتانی

اب مادہ ٹھیرا ہے قوت ہی کی اک صورت
اور پردۂ قوت میں یزداں نظر آتا ہے

کربلا

؎

کوئی حُسین ہو تو زمانے میں آج بھی
ہے کربلا۔ اگرچہ وہی ہو بہو نہیں

؎

بہادر کے اصولِ زندگانی جن سے ڈھلتے ہیں
وہ سانچے کربلا کی خاک سے تیار ہوتے ہیں

؎

کربلا کی خاک پر فتویٰ یہ لکھا خون سے
ناروا ہے امر ہو جس میں ملوکیت کی باس

جوہر

اس باغ میں خزاں کا نہ ہوگا گذر کبھی
کیا رنگ دیکھئے۔ ابھی دکھلائے کربلا

جوہر

روزِ ازل سے ہے یہی اک مقصدِ حیات
جائے گا سر کے ساتھ ہی سودائے کربلا

؟

سن لے غافل صدا آتی ہے یہ کربل کے ذروں سے
مسلمانوں کا جذبہ چوٹ کھا کر ابھرتا ہے

خلیق

کربلا کی داستاں ہے حق پرستی کا سبق
مسلمِ مدہوش عزمِ حضرتِ شبیرؑ دیکھ

عدم

کربلا میں عشق نے اسلام زندہ کر دیا
عاشقوں نے کٹ کے حق کا نام زندہ کر دیا

کشفی

جہاں میں جب تلک ہیں یہ زمین و آسماں باقی
رہے گی لب پہ دشتِ نینوا کی داستاں باقی

اسد ملتانی

جس کی نظر میں ہے حادثۂ کربلا
ہیچ ہے اُس کیلئے ہر ستم برملا

گ

گناہ

اسدؔ ملتانی

یہ رازِ خاص نہاں زہد کی نگاہ سے ہے
کہ رونقِ دو جہاں جذبۂ گناہ سے ہے

شمیم

میری فطرت نہیں گنہگاری
ہیں یہ مجبوریاں جوانی کی

اکبرؔ

جب سے گناہ چھوڑ دیئے سب کھسک گئے
اب کوئی میرا دوست نہیں ہمنشیں نہیں

؟

گنہگاروں کی کثرت سے بے گناہوں کو بھی لے ڈوبی
وہ بستی ایک ہو کر مٹ گئی جس پر عذاب آیا

۹

تری بارگاہ میں اے خدا کبھی میں نے سجدہ نہیں کیا
تو ہی بخش دے کہ تمام عمر کٹی ہے میری گناہ میں

اخگر

دنیا سے تو عیب اپنے چھپا لیتا ہوں
باتیں بھی محاسب سے بنا لیتا ہوں
پڑتی ہے میری اپنی نظر جب مجھ پر
آنکھ اپنی ندامت سے جھکا لیتا ہوں

گرفت

ظفر علی خاں

میرا یہ کام ہے کہ کردوں تجھ کو انتباہ
اللہ کی گرفت کا خمیازہ ہے شدید

ظفر علی خاں

نہ جا اس کے تحمل پر کہ ہے بے ڈھب گرفت اسکی
ڈر اس کی دیر گیری سے کہ ہے سخت انتقام اسکا

جوہر

غافل خدا کے قہر سے دیتی نہیں پناہ
سدِ سکندری ہو کہ دیوارِ چین کی،

؟

دروازہ توبہ کا ہے ابھی تک کھُلا ہوا
ایسا نہ ہو کہ مل نہ سکے مہلتِ مزید

(ل)

لذتِ دنیا

اکبرؔ

لذتیں کرتی ہیں انسان کو دنیا میں ہلاک
زہر دیتی ہے یہ ظالم شکر و شیر کے ساتھ

اکبرؔ

ہر لذتِ دنیا پہ وہ جھک پڑتے ہیں فی الفور
آفت میں پھنسائے گی یہ فی الفور کسی دن

حفیظؔ جالندھری

کم بخت آئی ہے مرا ایماں خریدنے
دُنیا کھڑی ہے دولتِ دنیا لئے ہوئے

؟

تیرے لئے تو ہے دنیا بساطِ عیش و نشاط
میری نگاہ میں دنیا بہ جز غبار نہیں

عبرت

اسی نے ٹھوکریں در در کی کھائیں
جو دنیا میں سگِ دنیا رہا ہے

اکبر

دنیا میں لذتیں ہیں نمائش ہے شان ہے
ان کی طلب میں حرص میں سارا جہان ہے
اکبرؔ سے یہ سنو کہ جو اس کا بیان ہے
دنیا کی زندگی فقط اک امتحان ہے

(م)

ماسوا

اکبرؔ

یہ جس نے آنکھ ہمیں دی ہے وہ ہے قابل دید
پھر اس کو چھوڑ کے کیا محوِ ماسوا ہوتے

انور گورداسپوری

شکستِ ماسوا سے سربلندی ہاتھ آتی ہے
خدا والوں کے سائے میں خدائی ساتھ آتی ہے

اکبرؔ

طریقِ مغربی کی کیا یہی روشن ضمیری ہے
خدا کو بھول جانا اور محوِ ماسوا ہونا

جگرؔ

یا دیکھ کر نہ دیکھئے کچھ ماسوائے دوست
یا دیکھنے کی طرح سے دیکھا نہ کیجئے

مجاہد

؟

جو کرے وقت پہ پانی لہو کو وہ مجاہد ہے
بجھ جائے جو راز جاحدو کو وہ مجاہد ہے

ظفر علی خاں

ہزار سلطنتیں صدقے ہیں اس مجاہد پر
غزا کے واسطے جو عاقبت بدوش آیا

اقبال

وہ مرد مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستیٔ کردار

نازش

مجاہد کیلئے قرآن اور ایک تیغ کافی ہے
تجھے برباد کر ڈالے گا یہ ذوق تن آسانی .

مجبوری

حفیظ جالندہری

کہیں پابندِ نیاز اور کہیں خسروِ ناز
ایک ہستی ہے کہ مختار بھی مجبور بھی ہے

جگر

نزدیک ہو یا دور۔ جہاں تم ہو۔ وہیں ہے
عاشق۔ وہی عاشق ہے۔ جو مجبور نہیں ہے

جگر

اللہ ری مجبوریِ آدابِ محبت
گلشن میں رہے اور گلستاں نہیں دیکھا

عدم

پہلے ہر اک فریب سے بچتے رہے ہے عدم
آخر فریب کھانے پہ مجبور ہو گئے

حفیظؔ جالندہری

مری مجبوریاں کیا پوچھتے ہو
کہ جینے کے لئے مجبور ہوں میں

جگرؔ

اس تقیید پہ تو عالم ہے یہ آزادی کا
کیا قیامت کرے انساں جو مجبور نہ ہو

محبت

وسیمؔ

چار لفظوں میں محبت کے عجب اعجاز ہے
کتنے دفتر بن گئے۔ لیکن یہ اب تک راز ہے

شیفتہؔ

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
اک آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی

جگرؔ

محبت کیا ہے؟ تاثیرِ محبت کس کو کہتے ہیں؟
ترا مجبور کر دینا۔ مرا مجبور ہو جانا

مرزا احسانؔ

محبت میں فقط دیوانگی درکار ہوتی ہے
یہاں تمکینِ عقل و ہوش سب بیکار ہوتی ہے

اقبال

رمزیں ہیں محبت کی گستاخی و بیباکی
ہر شوق نہیں گستاخ۔ ہر جذب نہیں بیباک

اقبال

محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحرا بھی
جرس بھی۔ کارواں بھی۔ راہبر بھی۔ راہزن بھی ہے

اقبال

مرض کہتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرض ایسا
چھپا جس میں ہے علاجِ گردشِ چرخِ کہن بھی ہے

اقبال

بیابانِ محبت دشتِ غربت بھی۔ وطن بھی ہے
یہ ویرانہ قفس بھی۔ آشیانہ بھی۔ چمن بھی ہے

ساحر

محبت بحرِ بے پایاں ہے کوئی اس کو کیا جانے
نہ کوئی ابتدا جانے نہ کوئی انتہا جانے

حسرت موہانی

جس کی ذلت میں بھی عزت ہے سزا میں بھی مزا
کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ محبت کیا ہے

حیرت وارثی

محبت ہی حیاتِ جاوداں ہے روحِ انساں کی
یہ مل جائے تو کچھ حاجت نہیں پھر آبِ حیواں کی

اقبال

شرابِ روح پرور ہے محبت نوعِ انساں کی
سکھایا اس۔ نے مجھ کو مست بے جام وسبو رہنا

؟

ہر نفس اس کو محبت میں ہے پیغامِ حیات
آدمی اپنی حقیقت سے اگر دور نہ ہو

اقبال

نہ محتاجِ سلطاں۔ نہ مرعوبِ سلطاں
محبت ہے آزادی و بے نیازی

اکبرؔ

پھر کسی کام کا باقی نہیں رہتا انسان
سچ تو یہ ہے کہ محبت بھی بلا ہوتی ہے

مجذوبؔ

ڈوبے تو کھلی بحرِ محبت کی حقیقت
ہر قطرہ میں اک آگ کا دریا نظر آیا

مجذوب

عبث ہے جستجو بحرِ محبت کے کنارے کی
بس اس میں ڈوب مرنا ہی ہے اسے دل پار ہو جانا

اکبرؔ

کرو شوق سے محبت مگر ایک بات سن لو
کسی اور کام کے تم نہ رہو گے دل لگا کر

مجذوبؔ

پا قید محبت کبھی آزاد نہ ہوں گے
اس قید کی اے دل کوئی میعاد نہیں ہے

جگر

نہ کچھ اپنی خبر ان کو۔ نہ ان کی کچھ خبر ہم کو
محبت میں اسی کو خاتمے کا باب کہتے ہیں،

مجذوب

سنبھل کر ذرا تیز گامِ محبت
مقامِ ادب ہے مقامِ محبت

مجذوب

چڑھیں دار پر یا چڑھیں طور پر ہم
رسائی ہے بالا ہے بامِ محبت

حفیظ جالندھری

محبت کرو اور نبھاؤ۔ تو پوچھوں
یہ دشواریاں ہیں کہ آسانیاں ہیں

محنت

اقبالؔ

بے محنتِ پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا
روشن شررِ تیشہ سے ہے خانۂ فرہاد

اکبرؔ

حاصل ہو کچھ معاش۔ یہ محنت کی بات ہے
لیکن سرورِ قلب۔ یہ قسمت کی بات ہے

اخگرؔ

زندہ ہے تو تو زندگی محنت کا نام ہے
محنت کے دم سے امن و اماں کا قیام ہے

وحشتؔ

محنت ہی پہ موقوف ہے آسائشِ گیتی
کھوئی مری راحت۔ مری راحت طلبی نے

محفل

اقبالؔ

رہا دل بستۂ محفل، مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرونِ محفل سے نہ حیرت آشنا تُو نے

نشترؔ جالندھری

محفلِ آفاق کا اب اور ہی انداز ہے
از سرِ نو انعقادِ کفر کا آغاز ہے

المؔ

بگڑنے پر بھی دنیا کی یہ رونق کم نہیں ہوتی
عجب محفل ہے برہم ہو کے بھی برہم نہیں ہوتی

اقبالؔ

میں ان کی محفلِ عشرت سے کانپ جاتا ہوں
جو گھر کو پھونک کے دنیا میں نام کرتے ہیں

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

ظفر علی خاں

مسلّم ہے خدا کے بعد جس کی شانِ یکتائی
ہے نام اس کا محمد ابن عبداللہ بطحائی

جگر

ایسے تھے آپ اُمیؐ کھولی زبان جس دم
دم بھر میں بے زباں تھے سارے زبان والے

حفیظ جالندھری

محمد کی محبت دینِ حق کی شرطِ اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی۔ تو ایماں نامکمل ہے

ماہر القادری

سیلابِ حوادث ہی نہ کیوں سر سے گذر جائے
دامانِ محمد تو چھٹا ہے نہ چھٹے گا

مردانِ خدا

اقبالؔ

ہوتا ہے کوہ و دشت میں پیدا کبھی کبھی
وہ مرد جس کا فقر خزف کو کرے نگیں

رمزیؔ اٹاوی

کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ میخانہ

جگرؔ

بڑی مشکل سے پیدا اک وہ آدم زاد ہوتا ہے
جو خود آزاد جس کا ہر نفس آزاد ہوتا ہے

مرزا احسانؔ

گلستاں میں فقط اک عندلیب زار ہوتی ہے
چمن کی روح جس کی آہ سے بیدار ہوتی ہے

اکبر

کشتیِ دل کی الٰہی! بحرِ ہستی میں ہو خیر
ناخدا ملتے ہیں لیکن۔ باخدا ملتا نہیں،

خاموش لدھیانوی

کلیسا میں۔ حرم میں۔ بت کدہ میں
کہیں صاحب نظر ملتا نہیں ہے،

اقبال

بیدار ہوں دل جس کی فغانِ سحری سے
اس قوم میں مدت سے وہ درویش ہے نایاب

فطرت

خدا مل جائے یہ ممکن ہے فطرت
مگر ملتے نہیں بندے خدا کے

خلیق

حق تو یہ ہے اٹھ گئے ہیں اب وہ مردانِ غیور
جن کے دل میں درد تھا جن کی نگاہوں میں تھا نور

آسد ملتانی

میں اہلِ دہر کو مسجد میں لا کے پچھتایا
خدا کے گھر میں کوئی بندۂ خدا نہ ملا

ظفر علی خاں

دنیا یزیدیوں سے ہے بیشک بھری ہوئی
لیکن یہ جھوٹ ہے کہ نہیں اس میں بایزید

ظفر علی خاں

زندۂ جاوید ہے اللہ والوں کا گروہ
امتِ مرحوم سو سکتی ہے مر سکتی نہیں،

وحشت

صادق ہیں اپنے قول کے۔ قائل وفا کے ہیں
دنیا میں اب تک ایسے بھی بندے خدا کے ہیں

اقبال

ترستی ہے نگاہِ نارسا جس کے نظارے کو
وہ رونق انجمن کی ہے انہیں خلوت گزینوں میں

اکبرؔ

کام نکلے گا نہ اے دوست کتب خانوں سے
رہیے کچھ روز کسی محرمِ اسرار کے ساتھ

مروّت

اقبالؔ

مسلماں کے لہو میں ہے سلیقہ دلنوازی کا
مروّت حسنِ عالمگیر ہے مردانِ غازی کا

طالبؔ

جب اہل غرض شرمندہ ہوں۔ مردانہ عزائم کے آگے
اس وقت لحاظ و مروّت سے انسان خریدا جاتا ہے

عدمؔ

جب بھی کسی نے ہنس کے مروت سے بات کی
دل سے تمام عمر کے غم دور ہو گئے

مسلمان

جوہرؔ

ہے مسلمان کی بس یہی پہچان
کہ فقط اک خدا سے ڈرتا ہے

اقبالؔ

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمانِ غیور
موت کیا شے ہے، فقط عالمِ معنیٰ کا سفر

انورؔ گورداسپوری

مسلماں کی جبیں تابندۂ تقدیر ہوتی ہے
نظر میں جلوۂ حق۔ ہاتھ میں شمشیر ہوتی ہے

اکبرؔ

مسلماں تو وہ ہے۔ جو ہے مسلماں علم باری میں،
کروڑوں یوں تو ہیں لکھے ہوئے مردم شماری میں

اقبالؔ

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہٰ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اکبرؔ

جھوٹ سے نفرت کلی ہو۔ طمع سے پرہیز
ہو نہ کچھ اور۔ پر اتنا تو مسلمان ہیں ہو

اکبرؔ

قابلیت تو بہت بڑھ گئی ماشاءاللہ
مگر افسوس یہی ہے کہ مسلماں نہ رہے

اکبرؔ

صبر۔ خودداری۔ دلیری۔ حق پرستی اب کہاں
رکھ لیا اچھا سا اک نام اور مسلماں ہو گئے

نزہتؔ

نظر آتا نہیں کوئی مسلماں آج ملت میں
مسلماں گو ہیں کہنے کو نہیں لیکن حقیقت میں

آسد ملتانی

آپ کہتے ہیں کہ کافر کو بنائیں دیندار
میں یہ کہتا ہوں مسلماں تو مسلماں ہو جائے

اخگر

پریاں نہ ہوں جس میں وہ پرستاں کیسا
ہوں پھول نہ جس میں وہ گلستاں کیسا
سوزش ہی نہ ہو جس میں وہ کیسا اخگر
مخلص ہی نہ ہو جو وہ مسلماں کیسا

مصیبت

وحشتؔ

مصیبت آئے تو سہہ لے مگر خدا کیلئے
نہ کر تو درد کو رسوا کبھی دوا کے لئے

؟

گوہرِ مقصد ملے گا ورطۂ آلام میں
ساحلِ دریا پہ دُرِّ بے بہا ملتا نہیں

اکبرؔ

مقامِ شکر ہے۔ غافل مصیبتِ دنیا
اسی بہانے سے اللہ یاد آتا ہے

اکبرؔ

شیطاں کی نہ مان جو راحت نصیب ہو
اللہ کو پکار۔ مصیبت اگر پڑے،

اکبرؔ

وقتِ بیمیں کون رکھتا ہے رفاقت کا خیال
ہم نشیں اپنے رقیبوں کے مصاحب ہو گئے

؟

جو اپنے تھے مصیبت میں پرائے ہو گئے وہ بھی
عزیز و آشنا تک اب مجھے بیگانہ کہتے ہیں

خاموشؔ لدھیانوی

گردابِ بلا کی موجوں میں سب ساتھی ہم کو چھوڑ گئے
طوفاں کے تیز تھپیڑوں سے ساحل بھی کنارا کرتے ہیں

اکبرؔ

خدائی تیری ہے۔ ہم بھی ہیں اے خدا تیرے
مصیبتوں میں پکاریں کسے سوا تیرے

احسنؔ

ہے مصیبت کے اثر تک ہی مصیبت کا گلہ
یاد پھر بھول کے ہم کو نہیں آتی تکلیف

اخگرؔ

مصیبتوں میں نہ ہوتیں جو راحتیں پنہاں
خدا نہ بھیجتا یہ تحفے انبیاء کے لئے

اخگرؔ

اخلاق مصائب نے سکھایا مجھ کو
جب ظلم سہے رحم تب آیا مجھ کو
ممنون شکستوں کا ہوں اپنی اخگرؔ
فاتح تو انہوں نے ہی بنایا مجھ کو

معیّت

اکبرؔ

جاری طریق فضل و عطا سب کے ساتھ ہے
دیکھو جو غور سے تو خدا سب کے ساتھ ہے

اکبرؔ

اچھا بُرا جو کچھ ہے. خدا ہی کے ہاتھ ہے
نیکی اگر کرے گی. تو فطرت بھی ساتھ ہے

اکبرؔ

جو تو نے بھائیوں کا اپنے ساتھ چھوڑ دیا
تو دستگیر نے تیرا بھی ہاتھ چھوڑ دیا

اقبال

وہ نا فرجام بیڑا ڈوبنے سے بچ نہیں سکتا
خدا کا ساتھ چھوٹا جس کے خود بیں ناخداؤں سے

مقامِ مومن

اقبالؔ

فرنگ سے بہت آگے ہے منزلِ مومن
قدم اٹھا۔ یہ مقام انتہائے راہ نہیں

اقبالؔ

مقامِ بندۂ مومن کا ہے ورائے سپہر
زمیں سے تابہ ثریا تمام لات و منات

اقبالؔ

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے
مومن کا مقام ہر کہیں ہے

زاہد القادری

مانا کہ عرش سدرہ و طوبیٰ سے ہے بلند
مومن کا اس فضا سے بھی اونچا مقام ہے

اقبالؔ

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اسدؔ ملتانی

نگاہِ بندۂ مومن سے بھی وہ ہے ممکن
جو کام شاہ بزورِ سپاہ کرتا ہے،

اقبالؔ

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

زاہدؔ القادری

جذبۂ مومن کی کوئی تاب لا سکتا نہیں
پائے مومن نے کچل ڈالے ہیں داراؤں کے تاج

انورؔ کرمانی

تیرا ضمیر غلامی نے کر دیا مردہ
وگرنہ بندۂ مومن ہے فتحِ دو جہاں

ملاقات

اکبرؔ

روز افزوں ہو محبت وہ ملاقات اچھی
شوق ملنے کا بڑھاتی رہے وہ بات اچھی

اکبرؔ

یوں کہو۔ مل آو ان سے لیکن۔ اکبرؔ سچ یہ ہے
دل نہیں ملتا تو ملنے کا مزہ ملتا نہیں

اکبرؔ

یہ ملنے ہی سے اکثر رنج بھی ہو جاتے ہیں پیدا
جو سچ پوچھو۔ تو ملنے سے نہ ملنے کا گلا اچھا

عدمؔ

ملاقاتیں مسلسل ہوں۔ تو دلچسپی نہیں رہتی
یہ بے ترتیب یارانے حسیں معلوم ہوتے ہیں

ملوکیّت

اقبالؔ

مجلسِ ملت ہو۔ یا پرویز کا دربار ہو،
ہے وہ سلطاں غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر

اظہرؔ

زبانِ حال سے کہتی ہے یہ تاریخِ انسانی
ستمرانی مہذب ہو تو بن جاتی ہے سلطانی

اظہرؔ

ملوکیّت کرے غسل آبِ عدل و رحم سے لیکن
نہیں مٹنے کا اس کے ناصیہ سے داغِ خونریزی

اظہرؔ

ملوکیّت مجسّم حیلہ و سوداسِ ابلیسی،
خلافت پیکرِ احکام و ارشاداتِ ربّانی

موت

اقبالؔ

موت تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

اقبالؔ

موت ہر شاہ و گدا کے خواب کی تعبیر ہے
اس ستم گر کا ستم انصاف کی تصویر ہے

اقبالؔ

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی۔ صبحِ دوامِ زندگی

سیمابؔ

موت کے آگے کوئی تدبیر چل سکتی نہیں
موت اپنے وقت پر آتی ہے ٹل سکتی نہیں

اکبرؔ

صاحبِ تخت و تاج بھی موت سے یاں بچ نہ سکے
جاہ و حشم سے کیا ہوا؟ کثرتِ زر نے کیا کیا

اقبالؔ

رعبِ فغفوری ہو دنیا میں کہ شانِ قیصری
ٹل نہیں سکتی غنیمِ موت کی یورش کبھی

اکبرؔ

جان ہی لینے کی حکمت میں ترقی دیکھی
موت کا روکنے والا کوئی پیدا نہ ہوا

جوہرؔ

اللہ کے رستے ہی میں موت آئے مسیحا
اکسیر یہی ایک دوا میرے لئے ہے

؟

مرنا اس کا ہے۔ کرے جس کا زمانہ ماتم
ورنہ دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لئے

موت و حیات

جوشؔ

زندگی ہے نقش سے معمور اک مہمل سی بات
موت ہے شیرازۂ قانونِ تکمیلِ حیات

جوشؔ

زندگی ہے روح کو محدود کر لینے کا نام
موت ہے انساں کے لامحدود ہو جانے کا نام

اقبالؔ

زندگی وہ ہے کہ جو ہو نہ شناسائے اجل
کیا وہ جینا ہے کہ ہو جس میں تقاضائے اجل

عدمؔ

موت سے زیست کا شعلہ کہاں بجھتا ہے عدم
صرف احساس کو اک نیند سی آجاتی ہے

عدمؔ

موت اک وقفۂ بے ربط ہے ورنہ غمِ زیست
وہ فسانہ ہے کہ جس کا کوئی انجام نہیں

اقبالؔ

کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آساں ہے موت
گلشنِ ہستی میں مانندِ نسیمِ ارزاں ہے موت

جوہرؔ

خاک جینا ہے اگر موت سے ڈرنا ہے یہی
ہوسِ زیست ہو اس درجہ تو مرنا ہے یہی

عدمؔ

زندگی کے ظلم بھی جن کو نہ حیراں کر سکے
موت کی تکلیف سے وہ لوگ گھبرائینگے کیا

اقبالؔ

ہو اگر خود نگر و خودگر و خودگیر خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے

مومن و کافر

اقبالؔ

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند

جوہرؔ

قولِ مومن ہے اسکے فعل کی شرح
وہ جو کہتا ہے۔ کر گزرتا ہے

نیّرؔ امرتسری

زندۂ جاوید ہے مرنے کے بعد
مردِ مومن کی یہی پہچان ہے؛

اقبالؔ

عالم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں

اقبال

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

اقبال

کافر ہے مسلماں تو نہ شاہی نہ فقیری
مومن ہے تو کرتا ہے فقیری میں بھی شاہی

اقبال

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اقبال

کافر ہے تو ہے تابع تقدیر مسلماں
مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیرِ الٰہی

جگر

یہی تو فرق ہے بس کافر و مومن میں اے غافل
کہ اس کے لاکھ کعبے ہیں اور اس کا ایک کعبہ ہے

(ن)

ناز و نیاز

اکبرؔ

غرور نہیں ہے۔ تو مجھ کو بھی ناز ہے اکبر
سوا خدا کے سب ان کا ہے اور خدا میرا

اخترؔ

ناز ہے نادان تجھ کو طالعِ بیدار پہ
اور میں غمگیں کہ یہ نقشِ حسیں مٹ جائیگا،

اقبالؔ

ہائے غفلت کہ تری آنکھ ہے پابندِ مجاز
ناز زیبا تھا تجھے۔ تو ہے مگر گرمِ نیاز

اکبرؔ

ناز کیا اس پہ جو بدلا ہے زمانے نے تجھے
مرد وہ ہیں۔ جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

جلیلؔ قدوائی

عطائے خاص ہے تیری سرمایۂ ذوقِ جنوں
عطا پہ ناز ہے مجھ کو جنوں پہ ناز نہیں

حسرتؔ موہانی

غیر کی جدوجہد پر تکیہ نہ کر کہ ہے گناہ
کوششِ ذاتِ خاص پر ناز کر۔ اعتماد کر

۹

کسی کے سامنے دستِ طلب بڑھانا کیا
نیاز مند وہی ہے جو بے نیاز رہے

جلیلؔ

دستِ قدرت نے وہیں اپنی نکالی مقراض
گلشنِ دہر میں جس گل نے ذرا ناز کیا

اقبالؔ

ہو گئی رسوا زمانے میں کلاہِ لالہ رنگ
جو سراپا ناز تھے۔ ہیں آج مجبورِ نیاز

ناقص و کامل

اکبر

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانہ کی،
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر

اکبر

وہ بھی نافہم ہے جو خضر کا طالب نہ ہُوا
وہ بھی ناداں ہے جو خضر کو منزل سمجھا!

اکبر

بھری ہے انجمن لیکن کسی سے دل نہیں ملتا
ہمیں میں آگیا کچھ نقص یا کامل نہیں ملتا

اقبال

اہلِ دانش عام ہیں۔ کم یاب ہیں اہلِ نظر
کیا تعجب ہے کہ خالی رہ گیا تیرا ایاغ

نام و نشاں

وحشتؔ

یہاں پر آنے والا بن کے عبرت کا نشاں آیا
گیا زیرِ زمیں۔ جو کوئی زیرِ آسماں آیا

اکبرؔ

فنا کے دور میں عبرت کو بھی قیام نہیں
نشاں ہی نہ رہے جب تو یاد کیا آئے

اکبرؔ

نہیں جمتا کسی کا نقش اس دنیائے فانی میں
حباب آسا مٹا۔ ابھرا جو بحرِ زندگانی میں

اکبرؔ

نشانِ شوکتِ انساں بنے تو مٹ بھی گئے
خدا کا نام ہی عالم میں برقرار رہا

اکبر

بھلا ہی دیتی ہو جس کو دنیا مٹا ہی دیتا ہو جسکو گردوں
عبث ہے انسان چاہتا ہے جو نام ایسا نشان ایسا

وحشت

نہیں ہیں قیس سے کچھ کم۔ یہ امر اتفاقی ہے
کوئی گمنام رہ جائے۔ کوئی مشہور ہو جائے

اکبر

نام کر جاتے ہیں دنیا میں جو خوش قسمت ہیں
کوئی مجنوں کی طرح کوئی ارسطو کی طرح

ظفر علی خاں

جو چاہتے ہو کہ روشن بڑوں کا نام کرو
تو جس نے ان کو بڑا کر دیا۔ وہ کام کرو

اکبر

جس نے ابھارا خلق کو اطاعت کردگار پر
نقش اسی کا رہ گیا صفحۂ روزگار پر

نگاہ

اقبالؔ

نگاہ وہ نہیں جو سرخ و زرد پہچانے
نگاہ وہ ہے کہ محتاجِ مہر و ماہ نہیں

اقبالؔ

نگاہ پاک ہے تیری تو پاک ہے دل بھی
کہ دل کو حق نے کیا ہے نگاہ کا پیرو،

اقبالؔ

فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے

اقبالؔ

دلوں میں ولولے آفاق گیری کے نہیں اُٹھتے
نگاہوں میں اگر پیدا نہ ہو اندازِ آفاقی!

نظر

اصغرؔ

نظر وہ ہے جو اس کون و مکاں سے پار ہو جائے
مگر جب روئے تاباں پر پڑے بیکار ہو جائے

ماہر القادری

نظریں بلند ہوں تو زمیں بھی ہے آسماں
سمع قبول ہو تو خموشی پیام ہے

اصغرؔ

ہر ہر قدم پہ جلوۂ رنگیں ہے نو بہ نو
خود تشنگیٔ نگاہ جو زنجیرِ پا نہ ہو

اقبالؔ

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینے میں بنا لیتی ہے تصویریں

سہیلؔ

نظر اسرار تک بے نورِ ایمانی نہیں جاتی
حقیقت پہلے مانی جاتی ہے۔ جانی نہیں جاتی

اقبالؔ

اے اہل نظر۔ ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

اقبالؔ

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

عدمؔ

ہر دلفریب چیز نظر کا غبار ہے
آنکھیں حسیں ہوں۔ تو خزاں بھی بہار ہے

طالوتؔ

جہانِ حسن و رنگ و بو فقط فریبِ چشم ہے
نظر کے اس فریب کو فریب ہی شمار کر

نماز

ظفر علی خاں

روزہ بھی ہو نماز بھی۔ حج بھی ہو اور زکات بھی
لُبِّ لباب ہے یہی فلسفۂ حیات کا

امجد

اسرارِ عبودیت کا مظہر ہے نماز
آئینۂ اسلام کا جوہر ہے نماز

نیاز

نمازوں سے قائم ہوا دینِ برحق،
نمازوں سے باقی ہے سطوت ہماری

اکبر

الگ خیال سے یہ دنیوی مظاہر ہوں
نماز کا ہے مزا جب۔ حواس طاہر ہوں

وطن

اقبالؔ

گفتارِ سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشادِ نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

مجذوبؔ

آ آ کے جا رہے ہیں سبھی اس دیار سے
سمجھے ہو پھر بھی تم اسے اپنا وطن ہنوز

وفا

جگرؔ

اصلِ وفا یہی ہے عینِ وفا یہی ہے
یعنی وفا ہی کرنا۔ ذکرِ وفا نہ کرنا

فیضیؔ

فیضیؔ وفا کی راہ میں مرنا ہے زندگی
دنیائے بے وفا کی تمنا نہ کیجئے

وسیمؔ

وعدے کا تو کر لینا آساں ہے بہت لیکن
مشکل ہے زمانے میں وعدے کا وفا کرنا

اقبالؔ

اگر ہاتھ سے ملک جاتا ہے جائے
تو احکامِ حق سے نہ کر بے وفائی

(۵)

ہستی

جگر

بے خبر! یہی تو ہے دو جہاں کا سرمایہ
یہ جو تیرے سینے میں مضطرب سی ہستی ہے

صدق

اِتراتا نہ بہت ہستیِ موہوم پہ غافل
کچھ اسکی حقیقت نہیں چشمِ حکما میں

دلؔ

بحرِ ہستی میں یہ دیکھا سعیِ ساحل کا مآل
مٹ گیا موجِ حوادث سے نشانِ زندگی

ماہر القادری

ہے عرصۂ ہستی میں عمل ہی سے تو سب کچھ
باتوں سے کوئی کام بنا ہے نہ بنے گا

ہمت

اقبالؔ

رہ یک گام ہے ہمت کے لئے عرشِ بریں
کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات

نیازؔ

کامیابی کے لئے ہمتِ مردانہ ہے شرط
عزمِ راسخ ہو تو ہے قطعِ منازل آساں

محویؔ

اُٹھ! اور کچھ تو کر دکھا۔ جو ہمتیں جوان ہیں
نہیں تو چھوڑ معرکہ یہ بزمِ کائنات کا

طالوتؔ

ہمت ہے گر جواں تو رہ زندگی ہے طے
باہمتوں کو روک نہیں سکتی کوئی شے

ہوس

وحشت

ہر طرف دام بچھائے ہیں ہوس نے کیا کیا
کیا یہ ممکن ہے یہاں۔ کوئی دل آزاد رہے

امجد

گنج قاروں پہ بھی قاروں کی ہوس کم نہ ہوئی
ہو گیا زیرِ زمیں دفن۔ دفینے کے لئے

ماہر القادری

وہ اک جذبہ ہوس کا ہے محبت ہو نہیں سکتی
تعلق صرف جس کا انبساطِ جسم و جاں تک ہے

مجذوب

تقویٰ کا ہو لباس بس۔ اور نہیں کوئی ہوس
مدِ نظر غلام کے خرقہ نہیں قبا نہیں

ہوش

اسدؔ ملتانی

غضب یہ ہے کہ ابھی تک نہ ہم کو ہوش آیا
پڑے اگرچہ حوادث کے تازیانے بھی

خاموشؔ لدھیانوی

جنوں کے راز خرد کی سمجھ میں آ نہ سکے
غلامِ ہوش مقامِ جنوں کو پا نہ سکے

طالوتؔ

مسکرا کر گل نے شبنم سے کہا،
اپنی ہستی اک فریبِ ہوش ہے

(ی)

یاد

اکبرؔ

مردِ بینا کو فقط ارض و سما کافی ہے
یہی نظارہ پئے یادِ خدا کافی ہے

جگرؔ

سب کو ہم بھول گئے جوشِ جنوں میں لیکن
اک تری یاد تھی ایسی۔ جو بھلائی نہ گئی،

؟

بارے دنیا میں رہو غم زدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کر کے چلو تم کہ بہت یاد رہو

ظفر علی خاں

ہے چند روزہ تیری عمر۔ اسے غنیمت جان
خدا کی یاد میں اس کو گزار لے مسلم

یقین

اقبالؔ

یقین پیدا کر اے ناداں یقیں سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری

اکبرؔ

خدا ہی کی ہدایت کرتی ہے نورِ یقیں پیدا
دلیلوں کی رسائی تو فقط وہم و گماں تک ہے

اقبالؔ

یقیں افراد کا سرمایۂ تعمیرِ ملت ہے
یہی قوت ہے جو صورت گرِ تقدیرِ ملت ہے

حسرتؔ موہانی

سب حل ہوں مشکلیں جو ملے دولتِ یقیں
لوحِ طلسم وہم و رجا ہے تمہارے پاس

اقبالؔ

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پرِ روح الامیں پیدا

اقبالؔ

گماں آبادِ ہستی میں یقیں مردِ مسلماں کا
بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی

اقبالؔ

نقطۂ پرکارِ حق مردِ خدا کا یقیں،
اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز

افقؔ

نہیں ذاتِ خدا پر اب یقین و اعتماد اپنا
نہ اب وہ جذبۂ ملی نہ اب وہ جوشِ ایمانی

وجدیؔ

دل میں اگر تجلیِ سوزِ یقیں نہیں
تیرے لیے جہاں میں ٹھکانا کہیں نہیں

یگانہ و بیگانہ

اقبالؔ

نہ رہ اپنوں سے بے پروا۔ اسی میں خیر ہے تیری
اگر منظور ہے دنیا میں او بیگانہ خو! رہنا

حفیظؔ جالندھری

دوست بھی دوستی نہیں کرتے
دشمنوں کا تو کچھ گلا ہی نہیں

اکبرؔ

ہزار دور ہوں، اپنے جو ہیں وہ اپنے ہیں
کسی کی آنکھ سے ہوتی نہیں نگاہ جدا

واثقیؔ

غیر آخر غیر ہے اپنوں سے بڑھ سکتا نہیں
رنگ کوئی ہو سیہ کپڑے پہ چڑھ سکتا نہیں